اثنا عشری مشن کا پہلا تبلیغی رسالہ
(رجسٹرڈ)
قاتلانِ حسینؑ کا مذہب
چوتھا ایڈیشن
مطبوعہ یوسفی پریس شہر لکھنؤ

آپ مذہب کی حمایت کیونکر کر سکتے ہیں؟

۱- امامیہ مشن کی ممبری قبول فرما کر۔

۲- امامیہ مشن کے استقلال فنڈ کے ٹکٹ خرید کر۔

۳- امامیہ مشن کے تبلیغی رسائل خرید فرما کر۔

جس سے آپ کی مذہبی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ اور مشن کی امداد بھی ہو جائے گی۔

۴- امامیہ مشن کے تبلیغی رسائل ہم سے رعایتی قیمت پر خرید فرما کر غیر مذاہب میں مفت تقسیم کر کے۔ (جیسا کہ بعض ہمدردان مذہب عامل ہیں)

امامیہ مشن ۴۹ تبلیغی رسائل چار سال میں شایع کر چکا ہے اور تین رسائل زیر طبع ہیں جنکی کل تعداد ۶۵ ہزار سے اوپر ہوتی ہے۔

امامیہ مشن ہر سال عشرۂ محرم میں اردو، ہندی، انگریزی رسائل غیر مذاہب میں مفت تقسیم کر رہا ہے۔

امامیہ مشن نے لکھنؤ کی اچھوت کانفرنس میں اسی سال اردو اور انگریزی میں مفت رسائل تقسیم کئے ہیں۔

(خادم مذہب)

آنریری سکریٹری۔ امامیہ مشن لکھنؤ

فہرست رسالہ "قاتلان حسین کا مذہب"

مصنفہ

عالیجناب سید العلماء مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ

امامیہ مشن لکھنؤ کی پہلی دینی خدمت

کا چوتھا دور

حضرات، یہ رسالہ جو آپ کے پیش نظر ہے امامیہ مشن کا وہ مقبول ترین رسالہ ہے جسکی پہلی مرتبہ ایک ہزار جلدیں ایک ماہ کے اندر ختم ہوگئی تھیں اور دوسرے ہی مہینہ دوسرا ایڈیشن شایع کرنا پڑا۔ پھر وہ بھی چند مہینہ میں ختم ہوا اور ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ میں تیسرا ایڈیشن طبع ہوا اب بحمد اللہ چوتھا ایڈیشن لیکے ہم قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں

تیسری مرتبہ کی اشاعت میں جناب مصنف علام مدظلہ العالی نے چند مطالب کا اضافہ اور نیز بعض غلط فہمیوں کا مزید ازالہ فرما دیا تھا جس سے مخالفین کی اُس حرکت مذبوحی کا بھی قلع قمع کر دیا گیا جو دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد عمل میں لائی گئی تھی۔ ہمکو قوی امید ہے کہ ہمدردانِ قوم اس ایڈیشن کو بھی زائد سے زائد تعداد میں خرید فرما کر غیر شیعہ حضرات میں مفت تقسیم فرماوینگی اور عنداللہ و عندالرسول ماجور ہوتے ہوئے ہماری ہمت افزائی کا سبب ہونگے

خادم مذہب

سید محمد رضا عفی عنہ آنریری سکریٹری امامیہ مشن مفتی گنج لکھنؤ

صفر ۱۳۵۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وللہ الحمد والصلوٰۃ علی نبیہ وآلہ

تمہید:۔ کہنے کو قاتلانِ حسینؑ مسلمان تھے اور اسی بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن تاریخی واقعات اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتے ہیں کہ درحقیقت وہ نام نہاد مسلمان اسلام سے دور کا بھی علاقہ نہ رکھتے تھے۔

مذہب اُن کی نظر میں ایک خود ساختہ گھروندا اور دین و ایمان زاہدِ بیکار کا ڈھکوسلا تھا۔ وہ دنیاوی جاہ و ثروت اور مادی ترقی و کامیابی کو لے کر کسی دوسرے عالم اور اُس عالم کی جزا و سزا کا باور کرنا تو درکنار اُس کا خیال بھی ذہن میں نہ لاتے تھے۔ لامذہبی انکا حقیقی مذہب اور بے دینی اُن کا دین و آئین تھی جسکے مظاہرات بھی حسب موقع اُن سے ہو جایا کرتے تھے اور انہی مظاہرات کو تاریخ نے اندراج کے ساتھ ہم تک پہونچا کر ہم کو اُن کی باطنی نیتوں پر حکم لگانیکا موقع دیدیا ہے

قتلِ حسینؑ کا اصلی بانی یزید بن معاویہ ہے جس نے کفر و الحاد اور لامذہبی میراث میں پائی تھی اور انکا اثر تھا جو جاہلیت و اسلام میں برابر ظاہر ہوتا رہا ہے

ابوسفیان جسکے ہاتھوں اسلام کو اپنے ابتدائی دور میں سخت مصائب اور خطرناک مواقع کا مقابلہ کرنا پڑا تھا اور بدر و احد و احزاب صرف اُسی کی عداوت

اسلام کے کرشمے تھے وہ اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اسلام کے قدرتی جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر سر تسلیم خم کر چکا تھا لیکن کفر و شرک نفاق کی صورت میں ہو کر اسکے دل میں ہمیشہ مضمر رہا اور مصلحت وقت کے باعث اُس کو چھپائے رکھنے کی کوشش کے باوجود وہ اکثر مواقع پر سامنے بھی آتا رہا یہانتک کہ جنگ یرموک میں جبکہ مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا اور معرکۂ کارزار گرم تھا اُس وقت ابوسفیان دور سے کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتے ہوئے نظر آتا تھا تو کہتا تھا

"ایہ بنی الاصفر" یعنی شاباش اے ملک روم کے بہادر اور جب مسلمانوں کو قوت ہوتی تھی تو ابوسفیان کی زبان سے حسرت و یاس کے ساتھ یہ شعر نکلتا تھا

وبنو الاصفر الملوک ملوک الروم لم یبق منہم مذکور

ہائے افسوس کہ سلطنت روم کے پرشوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے نظر آتا ہے۔

عبداللہ بن زبیر نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے باپ زبیر سے بیان کیا اسوقت کہ جب مسلمانوں کو کامل طور پر فتح حاصل ہو چکی تھی تو زبیر نے کہا قاتلہ اللہ یا بی الا نفا اولسنا خیرا لہ من بنی الاصفر خدا اس کو سمجھے یہ نفاق سے باز نہ آئے گا کیا ہم اسکے لئے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں دیکھو استیعاب ابن عبدالبر

اور جب مسلمانوں کی خلافت تیسرے دور میں بنی اُمیہ تک پہونچی اور حضرت عثمان

خلیفہ بنائے گئے اسوقت ابوسفیان اپنی عمر کے انتہائی دور میں تھا اور آنکھوں سے
بھی معذور ہو چکا تھا، یہ خبر سنکر عثمان کے پاس آیا اور کہا کہ عرصہ کے بعد اب یہ
خلافت تم تک پہونچی ہے۔ اسکو تم گیند کی طرح جدھر چاہو گردش دو اور بنی اُمیہ کے ذریعے
اسکی بنیادوں کو مضبوط کرو اس لئے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی سلطنت ہے، رہ گیا
جنت و دوزخ اُس کو تو میں کچھ سمجھتا نہیں۔ یہ واقعہ بھی ابن عبدالبر کی کتاب
استیعاب میں جو مصر کے بعد خاص طور پر حیدرآباد میں طبع کی گئی ہے موجود ہے
اِن دونوں تاریخی واقعوں سے ابوسفیان کے اسلام کی حقیقت کھل جاتی ہے اور
معلوم ہوتا ہے کہ سینہ کی ہڈیوں کے اندر کفر والحاد کے کیسے جراثیم پرورش پا رہے تھے

اسی ابوسفیان کے خلیفہ وجانشین حضرت معاویہ تھے جن کے متعلق زبان
کھولنے کیلئے بہت بڑی جرأت کی ضرورت ہے اسلئے کہ عام مسلمانوں نے انھیں بڑھا چڑھا
کر بڑے مرتبوں پر پہونچا دیا ہے لیکن مورخین اہلسنت مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں
نے اکثر واقعات کے اظہار میں کسی ذاتی رجحان اور خارجی دباؤ کا اثر نہیں لیا ہے
بلکہ حقائق کو اصلی صورت میں پیش کر دیا ہے اگرچہ وہ خود انہی میں سے کسی کے مسلک
عقیدہ کو ملیامیٹ کردیں، معاویہ کی نظر میں مذہب کی وقعت جتنی تھی وہ اس واقعہ
سے ظاہر ہے کہ حتات مجاشعی اور جاریہ بن قدامہ اور احنف یہ تینوں شخص امیر
معاویہ کے دربار میں حاضر ہوئے معاویہ نے جاریہ و احنف کو حتات سے
زیادہ جائزہ عطا کیا جس پر حتات نے آکر شکایت کی کہ آپ نے فلاں، دو شخصوں کو

میرے اوپر ترجیح دی اور انکا مجھ سے زیادہ لحاظ کیا، معاویہ نے جواب دیا کہ اُن سے میں نے اُنکا دین و مذہب مول لے لیا ہے، حتات نے کہا پھر مجھ سے بھی میرا دین خرید لیجئے (ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد اول صفحہ ۱۵۴ و اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۱ ص ۳۷۹)

اسی نوعیت کا واقعہ ابن اثیر جزری نے کامل التواریخ میں لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے بصرہ سے دس آدمیوں کو ۳۰ ہزار درہم رشوت کے ساتھ یزید کی ولیعہدی پر راضی کر کے اپنے بیٹے موسی بن مغیرہ کی معیت میں معاویہ کے پاس بھیجا اور اُن لوگوں نے معاویہ کے سامنے یزید کی جانشینی پر اظہار مسرت کیا، اس وقت معاویہ نے آہستہ سے موسی بن مغیرہ سے پوچھا کہ سچ بتانا کتنے کو تیرے باپ نے ان لوگوں سے اُن کے دین و ایمان کو خریدا ہے، موسی نے کہا تیس ہزار درہم کو۔

اِن دونوں واقعوں سے صاف ظاہر ہے کہ دین و مذہب کی ان نظروں میں کوئی وقعت نہ تھی اور روپیہ اشرفیوں یا صرف ظاہری آو بھگت پر لوگوں کے دین و آئین کو خرید کر لامذہبیت کو رواج دیا جا رہا تھا،

اسلام کا مشہور و معروف مسلم الثبوت مورخ اور امام فن محمد بن جریر طبری اپنی تاریخ میں سنہ ھ کے واقعات لکھتے ہوئے رقمطراز ہے کہ عمر و عاص اہل مصر کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس دارالخلافہ شام باریابی کیلئے آیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ عمرو عاص معاویہ سے کسی حد تک برسر پرخاش تھا اُسنے

اِن لوگوں کو سکھلا دیا کہ دیکھو جب تم معاویہ کے دربار میں جانا تو اُسے خلیفہ کہکر سلام نہ کرنا اور جہانتک ممکن ہو اُس سے حقارت کے ساتھ بات کرنا، اُسکی وجہ سے تمہاری ہیبت اُسکے دل پر قائم ہوگی، معاویہ کو جب ان لوگوں کے پہونچنے کی اطلاع ہوئی وہ اپنی ذہانت سے عمر عاص کی سازش کو تاڑ گئے اور دربانوں سے کہا میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ نابغہ کے لڑکے (عمر عاص) نے اِن لوگوں کی نظر میں میری شان کو گھٹا دیا ہوگا لہذا تم خیال رکھو جیسے لوگ آئیں تو ان کے ساتھ انتہائی سختی کرنا یہانتک کہ ہر شخص کو ان میں سے یقین ہو جائے کہ اُسکی جان کی خیر نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص معاویہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوا وہ یوں آداب بجالایا کہ السلام علیک یا رسول اللہ بس پھر کیا تھا سب نے اُسی کی موافقت کی اور جو آیا اُس نے معاویہ کو رسول اللہ کہکر سلام کیا (تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۸۶ مصر) [ع۵]

ع۵ اس روایت کے تتمہ میں حسب ذیل عبارت بھی موجود ہے قال ولبس معاویۃ یوما عمامتہ الخرقانیۃ واکتحل وکان من اجمل الناس اذا فعل ذلک شک عبد اللہ فیہ سمعہ او لم یسمعہ۔ معاویہ نے ایک روز اپنا عمامہ خرقانیہ پہنا اور سرمہ لگایا اور وہ جب ایسا کرتے تھے تو اُن کے حسن وجمال کی انتہا نہ رہتی تھی۔ عبد اللہ کو اس میں شک ہے کہ اس کو سنا تھا یا نہیں۔

ایک خوش عقیدہ مسلمان کو اس واقعہ سے حیرت و تعجب کی انتہا نہیں رہ سکتی اسلامی دربار میں خلیفۂ وقت کو رسول اللہ کہکر سلام کیا جائے اور ان لوگوں کو سزا تو درکنار معمولی سی تنبیہ بھی نہ کی جائے، اس سے ضمیر کا پتہ صاف چلتا ہے اور حقیقی مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

خود حاکم وقت کو جانے دو، دمشق کے بھرے ہوئے دربار میں کسی ایک شخص کا بھی اس واقعہ پر چین بجبیں ہونا تاریخ میں نظر نہیں آتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت اسلامی جذبات اور مذہبی احساسات کس درجہ فنا ہو چکے تھے رسالتمآب کی عظمت عوام کی نظروں میں خلیفۃ المسلمین سے زیادہ نہیں تھی جیسا کہ

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) وہ لوگ جو حضرت معاویہ کے ہر طرز عمل کی حمایت کرنا اور انکی ہر بات کو بنانا خواہ کتنی ہی غیر قابل تاویں ہو اپنا وتیرۂ منصبی سمجھتے ہیں اُنھیں کوئی تعجب نہیں ہو کہ اس عبارت کے آخری فقرہ کے اندر ڈوبتے میں تنکے کا سہارا مل جائے اور فوراً شك عبد اللہ فیہ سمعہ او لم یسمعہ کو معنی یہ کہدیں کہ "اس روایت کا راوی عبد اللہ شک کرتا ہو کہ حضرت معاویہ نے اس لفظ کو سنا یا نہیں سنا"

لیکن افسوس ہے کہ روایت پر شروع سے آخر تک ایک چھپلتی ہوئی نظر بھی جو ڈالی جائے وہ اس خیال کو بے بنیاد ثابت کر دیتی ہے حدثنی عبد اللہ بن احمد قال

اُس واقعہ سے ظاہر ہے جسکو ابو حاتم سہل بن عثمان سجستانی بصری متوفی ۲۸۵ھ ؁ نے اپنی کتاب معمرین میں جو مصر کے مطبع سعادت میں ۱۳۲۳ھ ؁ میں شایع ہوئی ہے پر درج کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاویہ کو اشتیاق پیدا ہوا ایک ایسے شخص سے ملنے کا جسکی عمر بہت زیادہ طولانی ہو اور وہ اُس سے زمانہ قدیم کے حالات دریافت کریں لوگوں نے حضر موت کے ایک شخص کا پتہ دیا جس کا نام امد بن ابد تھا اور اسکی عمر تین سو برس کی ہو چکی تھی۔ اثنائے گفتگو میں معاویہ نے اُس سے دریافت کیا کہ تم نے ہاشم کو دیکھا ہے؟ اُس نے کہا ہاں میں نے اُنکی زیارت کی ہے بہت شاندار بلند بالا خوبصورت شخص تھے پوچھا کہ امیہ کو بھی دیکھا ہے؟ کہا کہ ہاں ایک پست قامت اندھا آدمی

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) حدثنی ابی قال حدثنی سلیمان قال قرأت علی عبد اللہ عن فلیح قال اخبرت۔

اِس سلسلہ سے صاف ظاہر ہے کہ عبد اللہ ابتدائی راوی ہے یا وسطی جو سلسلہ سند کے بیچ میں واقع ہوتا ہے اور وہ موقع واردات پر موجود نہ تھا اور واقعہ اُس کا چشم دید نہیں تھا بلکہ اُس تک واقعہ کی خبر دو راویوں کے واسطہ سے پہونچی ہے لیکن صورت حال کی بنا پر یہ شک کرنا کہ حضرت معاویہ نے سنا تھا یا نہیں اُس راوی کا حق ہے جو واقعہ کا دیکھنے والا اور موقع پر موجود تھا وہ اگر اس شک کا اظہار کرتا کہ حضرت معاویہ نے سنا یا نہیں تو واقعہ میں شاید کچھ ابہام پیدا بھی ہو جاتا لیکن اُس نے تو بہت صفائی کیساتھ اصلی واقعہ کو

تھا جسکے چہرہ سے شرارت ظاہر ہوتی تھی۔ معاویہ نے کہا کہ تو نے محمد کو بھی دیکھا ہے؟
اُس نے ان معمولی لفظوں میں ایک مسلمان سے حضرت کا نام سنکر متعجبانہ انداز سے پوچھا
محمد کون؟ کہا وہی رسول خدا۔ یہ سنکر اُس نے کہا کہ "وائے ہو تم پر تم نے پہلے ہی
اُنکا اس طرح احترام کیا تھا نام کیوں نہ لیا جس کا خدا نے اُنھیں مستحق بنایا ہے
یوں کیوں نہ کہا کہ تو نے رسول اللہ کو دیکھا ہے؟" یہ واقعہ ابن اثیر جزری
کی اسد الغابہ (ج ا صفحہ ۱۱) میں بھی موجود ہے۔

اس سے زیادہ شرمناک اور تعجب خیز واقعہ وہ ہے جس کو زبیر بن بکار نے
موفقیات میں درج کیا ہے، یہ زبیر محدثین اہل سنت میں بلند پایہ شخص اور صحاح ستہ کے

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) نقل کیا ہے جس میں کسی شک و شبہ کا اظہار نہیں ہے اب
کئی طبقوں کے بعد کا جو راوی ہے وہ کہے کہ مجھ کو شک ہے حضرت معاویہ نے سنا تھا یا
نہیں تو کہاں تک قابل قبول ہو سکتا ہے۔

درحقیقت شک فیہ سمعہ او لم یسمعہ کے یہ معنی قرار دینا بالکل اصول تکلم اور
آئین گفتگو کے خلاف اور سراسر غلط ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ روایت کے ختم ہونیکے
بعد جو مستقل حیثیت رکھتی تھی کلی کے مستقل عنوان سے راوی نے کچھ اور باتیں حضرت
معاویہ کی نقل کی ہیں اور وہ یہ کہ حضرت معاویہ نے ایکدن اپنا عمامہ حرقانیہ
باندھا اور یہ کہ جب وہ ایسا کرتے تھے تو انتہائی حسین معلوم ہوتے تھے۔ اس ٹکڑے

رواۃ میں سے ہے وہ لکھتا ہے کہ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ ناقل ہے کہ میں اپنے باپ
مغیرہ کے ساتھ دمشق امیر معاویہ کی خدمت میں باریاب ہونے کیلئے گیا مغیرہ
شاہی مہمان ہوئے اور روز معاویہ کے دربار میں جاتے اور جب واپس ہوتے تو معاویہ
کے عقل و فراست اور تدبر و دور اندیشی کی تعریفیں کرتے تھے، ایک مرتبہ رات کو
جو واپس ہوئے تو کھانے سے انکار کر دیا اور محزون و مغموم سر جھکا کر بیٹھ گئے میں نے
کچھ دیر انتظار کیا کہ یہ خود بولیں مگر انھوں نے کچھ نہ کہا تو میں نے خود دریافت کیا
کہ آج آپکے مغموم ہونے کی کیا وجہ ہے؟ کہا بیٹا کیا بتاؤں میں ایک ایسے شخص کے پاس سے
آرہا ہوں جو کفر و خباثت میں دنیا بھر سے زیادہ ہے۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ کیا؟

(بقیہ مضمون صفحہ سابق کے متعلق) راوی عبد اللہ کو شک ہے کہ یہ بھی انھوں نے (یعنی عبد اللہ
نے) اپنے واقعہ کے بیان کرنیوالے راوی (اپنے باپ یا فلیح) کی زبانی سنا تھا یا نہیں
اس کو اصل روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ایسا بھی ہو کہ یہ فقرہ راوی کا اصل واقعہ
سے تعلق رکھتا ہے تو بھی وہ حقیقۃً راوی کے حسن ظن اور خوش عقیدگی کا نتیجہ ہے
کہ وہ بھی معاویہ کی نسبت یقینی طور پر اس امر کو باور نہیں کرنا چاہتا کہ انھوں نے ایسا
سنا ہو اور سکوت کیا ہو اسلئے وہ اس امر کو مشتبہ قرار دیتا ہے کہ حضرت معاویہ نے اس لفظ کو سنا
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی حقیقۃً اہل سنت و جماعت میں سے ہے امیر معاویہ
کے ساتھ کامل عقیدت مندی رکھتا تھا۔ اگر اصل واقعہ میں کسی قسم کی کمزوری پائی جاتی

کہا کہ آج تنہائی ہیں میں نے کہا کہ اے امیر المومنین اب آپکی کافی عمر ہو چکی ہے بہتر ہے کہ آپ عدل واحسان کو کام میں لائیں اور کتنا اچھا ہے کہ اب آپ اپنے رشتہ دار بنی ہاشم کی طرف بھی توجہ کیجئے اور ان کے ساتھ صلہ رحم فرمائیے کیونکہ اب اُن کے پاس کوئی ایسا سامان نہیں رہا ہے جس سے آپ کو کچھ اندیشہ ہو اس طرح آپکا ذکر جمیل اور اجر و ثواب دنیا و آخرت میں باقی رہ جائیگا۔

یہ سنکر معاویہ اُبل پڑے۔ کہا کہ ہیہات ہیہات مجھ کو کس ذکر جمیل کی امید ہوسکتی ہے کہ جو باقی رہے، قبیلۂ تیم کے خلیفہ (ابوبکر) نے سلطنت کی اور کیسے کیسے کام کئے اور کس طرح عدالت کی پھر کیا ہوا سوائے اسکے کہ انکو جب موت آئی تو انکا نام بھی

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) وہ یقیناً اُسی کا انکار کردیتا اور خود بیان کرتا لیکن جو کہ اصل واقعہ ناقابل انکار تھا اسلئے اُس نے اُسکی تاویل میں اپنی خوش عقیدگی کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ امر طے شدہ ہے کہ راوی کے اقوال بحیثیت راوی اُسی حد تک معتبر ہیں جہانتک وہ بیان واقعہ سے تعلق رکھتے ہیں نہ اُس کے ذاتی خیالات۔

واقعہ ایک ایسے عقیدت مند راوی کا بیان کردہ سامنے موجود ہے اس سے نتیجہ نکالنا ہر با بصیرت انسان کا خود کام ہے، اگر درایت کوئی چیز ہے اور واقعات کے ساتھ قرائن کا انضمام کچھ بتلایا کرتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ راوی کا یہ شک کہ امیر معاویہ نے سنا بھی تھا یا نہیں بالکل بے موقع اور ناقابل اعتنا ہے جبکہ

مردہ ہوگیا اور سوائے اسکے کہ لوگ کہیں "حضرت ابوبکرؓ" اور کوئی اثر نہ چھوڑا پھر قبیلہ عدی کے خلیفہ (عمرؓ) نے سلطنت کی اور دس برس عرق ریزی اور جانفشانی سے کارہائے نمایاں انجام دیئے اونکا انجام بھی یہی ہوا کہ وہ خود مردہ ہوگئے اور انکا نام بھی مردہ ہوگیا سوا اسکے کہ لوگ کہدیں حضرت عمرؓ لیکن یہ ابن ابوکبشہ (یہ وہ نام ہے جس سے کفار قریش حضرت رسولؐ کو یاد کیا کرتے تھے) روزانہ پانچ دفعہ اذان میں اُس کا نام اس طرح پکارا جاتا ہے کہ اشھد ان محمد ا رسول اللہ پھر اب مجھ کو اپنے کس کارنمایاں کے بقاء کی اُمید ہو اور کون سا نام میرا باقی رہ سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں آخری انجام زمین میں دفن ہوتا ہے اور بس (النصائح الکافیہ محمد بن عقیل حضرمی ص ۹۲)

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) اسکو بچ ساتھ روایت کا ایک نظر پھر مطالعہ کرو اور اسکے بعد فیصلہ کرو مصری جماعت کے درود کے موقع پر عمرو عاص اسکی کوشش کرتا ہے کہ یہ لوگ معاویہ کو خلیفہ کہکر سلام نہ کریں۔ حضرت معاویہ کو بھی اس سازش کا اپنی ذاتی فراست کی بنا پر یا کسی اور ذریعہ سے پتہ چلجاتا ہے۔ چنانچہ وہ پیش بندی کے طور پر انتظامات کرتے ہیں کہ مصری جماعت کیساتھ انتہائی سختی کیجائے جسکے رعب میں آکر وہ عمرو عاص کی سازش پر عمل نہ کرسکیں۔ اس صورت حال کا فطری لازمہ یہ ہے کہ جب وہ لوگ معاویہ کے سامنے آئیں تو حضرت معاویہ کی تمام تر توجہ اسکی طرف مبذول ہو کہ دیکھوں یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ اسکے بعد وہ لوگ دربار میں وارد ہوتے ہیں اور سلام کرتے ہیں ظاہر ہے کہ سلام کسی شخص کو میل دو میل سے نہیں کیا جاتا بلکہ قریب سے ہوتا ہے

اسی دادا کا پوتا اور اسی باپ کا بیٹا یزید تھا جس کو اتفاقات زمانہ اور بانی
کے حسن سیاست نے مسلمانوں کی گردن پر سوار کر دیا تھا۔ اُس کے اقوال و افعال
سب ہی اُس کے عقیدہ کے آئینہ دار تھے، افعال کا یہ عالم کہ واقدی نے عبد اللہ
بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہمکو یزید کی حکومت میں
یہ خوف ہو گیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر پتھر برسائے جائیں گے وہ ایسا شخص
تھا جو اپنی ماں بیٹیوں بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور
نماز کو ترک کرتا تھا۔ (صواعق محرقہ ابن حجر ص۱۳۲ طبع مصر)
اور اقوال کا یہ حال کہ بھرے دربار میں اُسکی زبان ان اشعار کیساتھ مترنم تھی

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) اور پھر یہ لوگ ایک دو نہیں تھے بلکہ کافی جماعت تھی جو یکے بعد دیگرے
آپ کی خدمت میں آ رہی تھی اور جو آتا تھا وہ یہی کہتا تھا کہ السلام علیک یا رسول اللہ
اسکے بعد یہ شبہہ ظاہر کرنا کہ حضرت معاویہ نے سنا یا نہیں اُسی وقت قابل ہو سکتا ہے
جب تاریخ کے ورق حضرت معاویہ کے لئے (خدانخواستہ) ثقل سامعہ کا پتہ دیدیں لیکن
افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہے۔
رہ گئی رجال سند کی بحث تو یہ ظاہر ہے کہ تاریخی واقعات میں مستند مورخین کے
اعتماد اور نقل ہی پر بنیاد قرار پاتی ہے اور اس روایت سے احتجاج کیلئے طبری ایسے نامور حافظ
متتبع متقن کا نقل و اعتماد کافی ہے جو شیعہ بھی نہ تھے کہ انکی نسبت امیر معاویہ سے خود غرض

لیت اشیاخی ببدر شہدو۲ جزع الخزرج من وقع الاسل

کاش میرے جنگ بدر والے بزرگ موجود ہوتے اور وہ مشاہدہ کرتے قبیلۂ خزرج کی گھبراہٹ کا نیزوں کے مقابلہ میں۔

لعبت ہاشم بالملک ولا خبرجاء ولاوحی نزل

یہ تو بنی ہاشم کو سلطنت کا کھیل کھیلنا تھا۔ نہ کوئی خبر آئی تھی نہ آسمان سے کوئی وحی اتری تھی۔

لست من خندف ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل

میں اپنے بزرگوں کی نسل سے نہیں اگر محمد کی اولاد سے اُن کے کئے کا بدلا نہ لوں

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) کی عداوت کا الزام عائد ہو سکے، بیشک تاریخ طبری میں اسکے قبل و بعد امیر معاویہ کی تعریف اور اُن کے ورع و تقویٰ کی حکایتیں بھی موجود ہیں لیکن یہ کون نہیں جانتا کہ کسی خاص عقیدہ والے کی تحریر اُس عقیدہ کے خلاف جتنی مستند ہو سکتی ہے اُسکے موافق نہیں طبری جتنی بھی جلالت قدر اور عظمت رکھتے ہوں وہ اپنے فرقہ میں ہے اور اسی حیثیت سے ہم نے بھی اُنکو "مشہور معروف مسلم الثبوت مورخ اور امام فن" کے لفظوں سے یاد کیا ہے لیکن بہرحال وہ سُنّی تھے اور اسلئے امیر معاویہ کی مدح میں اُن کے روایات کا پیش کرنا ویسا ہی ہے کہ جیسا اُنکی مذمت میں شیعی روایات۔ یہ صرف مسلک مناظرہ ہی کے خلاف نہیں ہے کہ جس سے مجھ کو تعلق نہیں بلکہ مسلک تحقیق کے بھی خلاف ہے جو میرا نصب العین ہے

فجزیناہم ببدر مثلہا   وباحد یوم احد فاعتدل

جو بدر و احد میں ہمارے ساتھ سلوک ہوا تھا اُس کا ہم نے پورا پورا بدلا لے لیا۔

لو رأوہ لاستہلوا فرحا   ثم قالوا یا یزید لا تشل

اگر میرے بزرگ اِس موقع کو دیکھ لیتے تو خوشی کے مارے کھکھلا کے ہنستے اور کہتے کہ اے یزید کبھی تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔

یہ وہ اشعار تھے جو نشہ شراب و نشہ فتح و نصرت دوہری مستی کے عالم میں یزید کی زبان سے نکل رہے تھے اور وہ اپنے ذاتی خیالات کو بغیر کسی اندیشہ کے ظاہر کر رہا تھا اور علامہ سبط ابن جوزی نے انھی اشعار کی بنا پر صریحی طور سے اسکے کفر کا فتوی دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر یزید کے دل میں زمانہ جاہلیت کی عداوت اور بدر و احد کے انتقام کا جوش نہ ہوتا تو کم از کم وہ سر حسین کے ساتھ بے احترامی

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) ایک اقوہ کے ثبوت میں مخالف فریق کے موافق بیانات جتنے مفید ہو سکتے ہیں موافق فریق کے موافق بیانات نہیں اور اس لئے ہم کو جبری گو اُن روایات پر نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں جن میں امیر معاویہ کی مدح میں طب اللسانی کی گئی ہے ۱۲

مولف

۱۲ ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ

نہ کرتا اور اُسکے دفن وکفن کا حکم دیتا اور زنان اہلبیت کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کرتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے دل میں کفر و جاہلیت کے جذبات موجود تھے جو اُسکو اہلبیت رسولؐ کیساتھ کسی رواداری پر آمادہ نہ ہونے دیتے تھے۔

محمد بن جریر طبری کہ جنھیں یزید کیساتھ کافی خلوص ہے اور تاریخی مسلمات کے خلاف اہلبیت رسالت کے ساتھ یزید کے حسن سلوک کی حکایتیں نقل کرنے میں انھیں لذت محسوس ہوتی ہے وہ بھی اس موقع پر کہ جب یزید نے اہل حرم کو ماتم داری کی اجازت دی ہے اور غارت شدہ اموال کو واپس کیا ہے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کی زبانی یزید کی مدح میں جو فقرہ نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ

"فما رأیت رجلا کافرا باللہ خیرا من یزید بن معاویۃ" میں نے خدا کا منکر کوئی یزید بن معاویہ سے بہتر نہیں دیکھا (طبری ج ۶ صفحہ ۲۶۵) اس سے بھی یزید کے مذہب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

یزید کے بعد دوسرا شخص جسے قاتل امام حسینؑ کہا جاسکتا ہے وہ پسر مرجانہ عبید اللہ بن زیاد ہے جو یزید کے ساتھ یکجان و دو قالب کی حیثیت رکھتا تھا اور اُسکے متعلق یزید نے اپنے ان اشعار میں اظہار خیال کیا ہے۔

اسقنی شربۃ تروی مشاشی ثم قم واسق مثلہا ابن زیاد

ہاں اے ساقی مہوش مجھ کو ایک ایسا ساغر پلادے جو میرے جسم کے ہر جوڑ بند کو سیراب کردے پھر کھڑے ہو کر ایسا ہی ایک جام ابن زیاد کو پلا۔

صاحب الود والامانۃ والتسدید منّی و مغنمی وجہادی

وہ کہ جو خالص دوست اور امانت دار اور میری تائید کرنے والا اور میرا سرمایۂ زندگی اور جنگ میں میرا ہمدست ہے۔"

اس شخص کا کفر و الحاد اور احکام خدا و رسولؐ سے روگردانی طشت ازبام تھی اور کوفہ کے عام افراد بھی اُس سے خوب واقف تھے چنانچہ اُس موقع پر جب حضرت مسلم ہانی بن عروہ کے گھر پر فروکش تھے اور شریک بن اعور کی عیادت کے لئے ابن زیادہ کے آنے کی خبر معلوم ہوئی اور شریک نے حضرت مسلم سے کہا کہ یہی موقع ہے اس کو قتل کر ڈالئے لیکن ابن زیاد آیا بھی اور چلا بھی گیا مسلم نے کوئی اقدام اُسکے قتل پر نہ کیا، شریک نے اُس کے جانے کے بعد مسلم سے اس کا سبب پوچھا تو مسلم نے کہا خصلتان اما احداہما فکراھتہ ھانی ان یقتل فی دارہ واما الاخری فحدیث حدثہ الناس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان الایمان قید الفتک ولا یفتک مومن" اس کے دو سبب تھے پہلے تو یہ کہ ہانی کو یہ امر ناپسند تھا کہ ابن زیاد اُن کے گھر میں قتل کیا جائے دوسرے یہ جناب رسالت مآبؐ کی حدیث ہے کہ ایمان قتل پر پابندی عائد کرنے والا ہے اور کوئی مسلمان قتل نہیں کیا جا سکتا!

یہ سنکر ہانی نے کہا:

اما واللہ لو قتلتہ لقتلت فاسقا فاجرا کافرا غادرا ولکن کرھت

أن يقتل في داري۔

خدا کی قسم آپ یقین جانئے کہ اگر آپ اس کو قتل کر ڈالتے تو یہ کسی مسلمان کا قتل ہوتا بلکہ ایک فاسق فاجر کافر غدار کا قتل ہوتا، بیشک مجھ کو یہ امر ناپسند تھا کہ وہ میرے گھر میں قتل ہو۔ (طبری ج ۲ صفحہ ۱)

تیسرا شخص جو قتل حسینؑ کا براہ راست ذمہ دار کہا جاسکتا ہے وہ عمر بن سعد ہے اُسکے اسلام کی حقیقت اِن اشعار سے ظاہر ہے جو اُس نے اُس موقع پر نظم کئے تھے کہ جب ابن زیاد نے اُس کو قتل امام حسینؑ پر مامور کیا ہے۔

فواللہ لا ادری و انی لحائر افکر فی امری علی خطرین

خدا کی قسم میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور میں حیران ہوں، میں اپنی نسبت دو عظیم باتوں میں فکر کر رہا ہوں۔

۱۱ ترک ملک الری والری منیتی ام اصبح ماثوما بقتل حسینؑ

کیا میں ملک رے کو ہاتھ سے جانے دوں حالانکہ ملک رے کی مجھ کو مدت سے آرزو ہے یا میں حسینؑ کو قتل کر کے ہمیشہ کے لئے گنہگار رہوں۔

الا انما الدنیا بخیر معجل وما عاقل باع الوجود بدین

یاد رہے کہ دنیا نقد و حاضر راحت کا نام ہے اور کون عاقل ہے جو نقد کو قرض کے عوض میں بیچ ڈالے۔

یقولون ان اللہ خالق جنۃ   ونار و تعذیب و غل یدین

لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے کوئی جنت خلق کی ہے اور آگ اور عذاب اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں۔

فان صدقوا فیما یقولون اننی   اتوب الی الرحمن من سنتین

اچھا تو اگر یہ لوگ سچے ہیں ان باتوں کے کہنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے میں دو ہی برس کے اندر اس گناہ سے توبہ کر لوں گا۔

وان کذبوا فزنا بدنیا عظیمۃ   وملک عقیم دائم الحجلین

اور اگر یہ غلط کہتے ہیں اور جنت و دوزخ کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر کیا ہی ہے پھر تو ہم ایک عظیم دنیا اور ایسے ملک کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جسکی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں۔

ان اشعار میں صریحی طور پر عقیدۂ معاد پر اور جنت و دوزخ کے وجود کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔

جب حکام و رؤسا کا یہ عالم تھا تو دوسروں کا کیا پوچھنا؟ وہ تو انہی لوگوں کے اشارہ پر چلنے والے اور ان کے آلۂ کار تھے۔ اُنکا مذہب سنہرے اور روپہلے سکوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ان لوگوں کو مسلمان کہنا اسلام کے دامن پر ایک بدنما داغ لگانا ہے اور درحقیقت ان سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے جس میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں اور اسکے بعد اس سوال کا

موقع ہی نہیں رہتا کہ یہ لوگ سنی تھے یا شیعہ؟ اس لئے کہ سنی شیعہ کا افتراق اسلامی مشترکہ اصول وعقائد کو تسلیم کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور جب خود اسلام دامن کش نظر آتا ہو تو سنی شیعہ کی تفریق بے موقع ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ افراد جنھیں خواہ مخواہ اختلاف پیدا کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے اور بے بات کی بات پیدا کر کے اسلامی جماعتوں میں تصادم پیدا کرتے ہیں وہ اس خیال کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ قاتلان امام حسینؑ خود شیعہ ہی تھے اور یہ دعویٰ بڑے زور و شور سے ان حلقوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔ چونکہ تاریخی نصوص شواہد اس دعوے کو بے بنیاد ثابت کرنے میں ہم آواز ہیں لہٰذا ایک تاریخی فرض کی حیثیت سے ہم نے قصد کر لیا ہے کہ اس سلسلہ میں عام اسلامی مستند کتب سے تاریخی حقائق کا ایک سلسلہ قلمبند کریں جس کے بعد ذہنوں میں قفل اور زبانوں میں گرہ پڑ جائے اور پھر اسکی جرأت نہ ہو کہ قاتلان حسینؑ کو شیعہ کہا جائے۔

قاتلان حسینؑ کی مذہب پر اجمالی نظر

گذشتہ حصۂ کلام میں جو کچھ حوالۂ قلم ہوا وہ اس ننگ انسانیت جماعت کے باطنی عقائد کی بنا پر تھا جس کی پردہ دری تاریخ کے ہاتھوں نے کر کے صاف واضح کر دیا ہے کہ اس جماعت کے دلوں میں اسلامی عقیدہ کا کوئی نقش قائم نہ ہوا تھا بلکہ

اُنکا مذہب عین لامذہبی کی تصویر تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ ظاہری حیثیت سے یہ افراد مذہب اسلام کے حلقہ بگوش تھے اور اُنکی لامذہبی جس درجہ بھی ہو اس پر اسمی ورسمی مذہب کا ایک ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ضرور تھا جس کی بنا پر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اُن کا تعلق اسلام کے کس فرقہ سے تھا؟ اس امر کی تحقیق کیلئے دو تنقیحیں قائم ہونا ضروری ہیں۔

(۱) امام حسینؑ کے قتل کی بنیاد کیا تھی؟

(۲) جس بنیاد پر اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا گیا تھا اُسکی جگہ کس فرقہ کے اصول و تعلیمات میں نکالی جا سکتی ہے؟

ان دونوں تنقیحوں کے حل کرنے کے بعد یہ سوال خود بخود حل ہو جائیگا کہ اس قتل پر اقدام کرنے والے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخی حیثیت سے یہ امر ناقابل انکار ہے کہ قتل امام حسینؑ کی بنیاد امیر معاویہ کے بعد یزید کی خلافت اور اُس کے تسلیم کرانے کیلئے حسینؑ بن علیؑ سے بیعت پر اصرار اور اُسکے بعد حسینؑ کا اس خلافت کے تسلیم کرنے سے انکار اور اپنی بات پر آخر وقت تک ہزار ہزار مصیبتیں سامنے آنے پر بھی قائم رہنا ہے۔

یہی چیز وہ تھی جس نے دنیا کی اس طویل وعریض وسعت کو فرزند رسولؐ پر تنگ کر دیا تھا اور جس کی بنا پر دشمنوں کی خون آشام تلواریں اس بیگناہ کے خون کی پیاسی ہو گئی تھیں۔

وہی وقت جب امیر معاویہ بقول ابن حجر مکی (۱) یزید کی محبت میں اندھے ہو کر مسلمانوں سے اپنے ہمہ تن فسق و فجور بیٹے یزید کی بیعت لے رہے تھے اور اسکی ولی عہدی کو تسلیم کرانے کے لئے شام و عراق کے خزانے اور حیلہ گری و سیاست کے تمام ہتھکنڈے صرف ہو رہے تھے اور عالم اسلام کا ہر جزو و کل تابع فرمان ہو چکا تھا اس موقع پر پانچ شخص ایسے تھے جو حاکم شام کی تمام سطوت و قوت اور تدبر و سیاست کے باوجود اپنی بات پر قائم تھے اور یزید کی بیعت کرنا اپنے لئے ننگ سمجھتے تھے جن میں سب سے پہلا نام حسینؑ بن علیؑ کا ہے اور آپ کی دیکھا دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس بھی یزید کی بیعت سے انکار کرتے تھے۔

امیر معاویہ پر یہ امر چھپا ہوا نہ تھا کہ اس جماعت میں سب سے زیادہ نمایاں ہستی حسینؑ کی ہے اور اس بنا پر خود مدینہ آکر سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ حسین بن علیؑ کو بلا کر کہا کہ اس معاملہ میں تمام لوگ ہموار ہو چکے ہیں سوائے پانچ آدمیوں کے قریش میں سے جن کی سرگردگی تم کر رہے ہو۔ حضرت نے شجاعانہ انداز سے کہا انا اقودھم "میں انکی سرگردگی کرتا ہوں؟!" معاویہ نے بعد دلیری کے ساتھ کہا نعم انت تقودھم "بیشک آپ ہی اُن کے سرگروہ ہیں" یہ سنکر حضرت نے فرمایا تو اسکی تدبیر یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بلا کر اُن سے بیعت کا مطالبہ کیجئے اگر

(۱) تطہیر الجنان حاشیہ صواعق طبع مصر صفحہ ۵

اُن سب نے بیعت کر لی تو تنہا مجھ سے آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں" یہ تدبیر الوقتی کامیاب ہوئی اور نتیجہ میں امیر معاویہ کی یہ کاوش بے سود ثابت ہوئی اس لئے کہ آخر تک سوائے عبداللہ بن عمر کے جو ایک کمزور دل اور عقیدہ کے شخص تھے ان اشخاص میں سے کسی نے بیعت کی ہامی نہیں بھری (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۷۱)

امیر معاویہ اپنی زندگی کے دن پورے کر چکے اور ۷۵ و ۸۰ س کے درمیانی عمر میں رجب ۶۰ھ میں رحلت کر گئے یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور تمام اہل شام نے بیعت کی، دنیا تمام زیب و زینت کے ساتھ یزید کے سامنے موجود تھی اور تاج و تخت، مال و دولت، حشم و خدم اور عیش پرستی و شہوت رانی کے تمام ذرائع و اسباب پوری فراوانی کیساتھ مہیا لیکن ایک خیال تھا جو اُس کے دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے اُسکی نظروں میں اس تمام جاہ و حشم کو خاک سیاہ بنائے ہوئے تھا اور وہ اُن چند آدمیوں کا بیعت سے انکار کہ جنمیں اوّل درجہ کی شخصیت حسینؑ بن علیؑ کی تھی۔ اُس نے تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی پہلا کام جو انجام دیا وہ یہی کہ اپنے چچازاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو جو مروان کی معزولی کے بعد اس زمانہ میں مدینہ کا حاکم تھا خط لکھا۔

(من یزید امیر المومنین الی الولید بن عتبۃ اما بعد فان معاویۃ کان عبدا من عباد اللہ اکرمہ اللہ واستخلفہ وخوّلہ

ومکن لہ فعاش بقدر ومات باجل فرحمہ اللہ فقد عاش محمودا ومات برا تقیا والسلام)

خط کا مضمون ختم ہو گیا اور اس میں سوائے معاویہ کے انتقال کی خبر کے کچھ نہیں ہے لیکن اسکے ساتھ ایک چھوٹا پرزہ کاغذ کا اور تھا جس پر یہ تحریر تھا (اما بعد فخذ حسینا وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن الزبیر بالبیعۃ اخذا شدیدا لیست فیہ رخصۃ حتی یبایعوا والسلام)

"دیکھو حسینؑ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو بیعت پر بہت سختی سے مجبور کرنا اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کریں دم نہ لینا"

ولید ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجا سہی لیکن کمزور دل کا شخص تھا اور حسینؑ کی عظمت وشخصیت کا اثر ایک حد تک اس پر قائم تھا، اسمیں اتنی سفاکی اور ستم کیشی بھی نہ تھی کہ ایک بیگناہ کا خون بہاتے ہوئے اسکو لذت محسوس ہو یزید کے فرمان شاہی نے اس کے باطنی جذبات میں ایک عظیم تلاطم پیدا کر دیا۔ وہ اس کشمکش و پیچ میں تھا کہ یزید کے اس حکم کو کس طرح انجام دیا جائے

بیشک ننگ اسلام لیکن ساتواں خلیفہ مسلمین مروان بن حکم جو ابتداہی میں رسول اللہ کی بارگاہ سے "ملعون بن ملعون" کا لقب پا چکا تھا (۱) اسی نے یہی مشورہ دیا کہ حسینؑ سے بیعت طلب کرو اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو انکا سر قلم کر کے

(۱) حیوۃ الحیوان دمیری ج ۱ ص ۵۵ بحوالہ مستدرک حاکم۔

یزید کے پاس بھیجو۔ ولید اپنی ذاتی صلح پسندی کے باعث اس کا مشورہ قبول کرنے سے مجبور رہا لیکن حسینؑ بن علیؑ کو بلا کر یزید کا پیغام پہونچا دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اگر حسینؑ عاقبت اندیشی کر کے غیر معلوم طریقہ پر مدینہ رسول کو خالی نہ کر دیتے تو یا ولید ہی عمر سعد کی طرح باوجود ذاتی کراہت کے مال وجاہ دنیا کی طمع اور سطوت حکومت کے خوف میں اقدام کرتا اور یا کوفہ کے نعمان بن بشیر کی طرح اسکو معزول کر کے مروان بن الحکم یا اسکے ایسے کسی سفاک اور سخت ترین دشمن اہل بیت کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے فرزند رسولؐ کے خون سے مدینہ رسولؐ کی زمین کو گلرنگ بنایا جاتا۔ مذکورۂ بالا واقعات کی تصدیق کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج ۶ صفحہ ۱۸۹-۱۹۰)

فرزند رسولؐ مکہ معظمہ پہونچے اور کچھ روز قیام کرنے کے بعد حضرت مسلم کو حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے کوفہ روانہ کیا۔ کوفہ کی خلقت یزید کے افعال و کردار سے واقفیت کے باعث اسکی خلافت سے بیزار تھی اس لئے مسلم کا خوشگوار طریقہ سے استقبال کیا۔ نعمان بن بشیر انصاری جو اسوقت کوفہ کا حاکم تھا وہ صلح پسند شخص آدمی تھا اور اس نے مسلم سے بغیر معقول سبب کے کوئی تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا مخبروں نے خلیفۂ وقت یزید کو اطلاع دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ میں آئے ہیں اور یہاں کے لوگوں نے حسینؑ بن علیؑ کی بیعت کی ہے نعمان بن بشیر فطرۃً کمزور شخص ہے یا کسی وجہ سے کمزوری کر رہا ہے اگر آپ کو کوفہ کی حفاظت کرنا ہے تو ایک مضبوط

آدمی یہاں مقرر کیجئے جو آپکے حکم پر کامل طور سے عمل کرے۔

یزید نے سرجون معاویہ کے رازدار غلام کو بلا کر مشورہ کیا۔ اس نے معاویہ کا فرمان نکال کر دکھایا جو معاویہ نے آخر وقت عبید اللہ بن زیاد کے نام کوفہ کی حکومت کے بارے میں لکھا تھا۔ یزید بوڑھے باپ کی اس بر موقع پیش بندی کو دیکھکر اُچھل پڑا اور فوراً ابن زیاد کے نام جو اس وقت بصرہ کا حاکم تھا خط لکھا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے مسلم بن عقیل کوفہ میں آکر رہا ہے لوگوں کو مجھ سے منحرف کر رہے ہیں اس تحریر کو دیکھتے ہی تم کوفہ کیجانب روانہ ہو جاؤ اور جس طرح ممکن ہو مسلم پر قابو پا کے انکو سزا دو۔ (طبری ج ۷ صفحہ ۱۹۹۔ ۲۰۰)

گوناگوں واقعات کے بعد فرزند رسولؐ دوسری محرم ۶۱ھ کو اپنی آخری منزل پر پہونچے اور ابن زیاد کی جانب سے عمر سعد حضرت کے قتل پر مامور ہو کر کربلا آیا اور جگر گوشۂ رسول کا خون آشام دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ عمر سعد کے ابتدائی و انتہائی واقعات کے مطالعہ سے صاف نظر آتا ہے کہ اس عظیم جرم کے ارتکاب میں ہر موقع پر اُس کا ضمیر سختی کے ساتھ ٹوک رہا تھا اور آواز دیتا تھا کہ ظالم کیا کر رہا ہے؟ جسکو سنکر وہ ایک مرتبہ ٹھٹک جاتا تھا لیکن طمع دنیا پھر غلبہ حاصل کر کے اُس کا قدم آگے بڑھا دیتی تھی، وہ ایسے مواقع ڈھونڈھتا تھا کہ کسی طرح وہ اپنے دنیاوی مقصد کی حفاظت کرتے ہوئے اس جرم کے ارتکاب سے محفوظ رہے اسی بنا پر کربلا پہونچنے کے بعد اُس نے امام حسین علیہ السلام سے سلسلۂ مراسلت و مکالمہ جاری کیا اور ابن زیاد

کو لکھا کہ میں نے حسینؑ سے بات چیت کر کے اُن کا منشا معلوم کیا تو اُنھوں نے کہا
مجھ کو اہل کوفہ نے دعوت دی تھی اس لئے میں یہاں آیا، اب اگر وہ لوگ اپنی
بات پر قائم نہیں ہیں تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس جاتا ہوں۔

اس خط کا جواب ابن زیاد نے دیا وہ یہ ہے۔

(اما بعد فقد بلغنی کتابک وفہمت ماذکرت فاعرض علی
الحسین ان یبایع لیزید بن معاویۃ ہو وجمیع اصحابہ فاذا فعل
ذلک رأینا رأینا والسلام)

یعنی خط پہنچا اور حال معلوم ہوا تم حسینؑ سے یہ مطالبہ کرو کہ وہ اپنے تمام
اصحاب سمیت یزید بن معاویہ کی بیعت کرلیں۔ اسکے بعد ہم صورت حال پر غور کریں گے
عمر بن سعد حسینؑ کے استقلال اور ثبات قدم سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ
جو کچھ بھی ہو جائے وہ یزید ایسے شراب خوار و فاسق کی بیعت نہ کرینگے جبکی بنا
پر اُس نے خط کے پڑھتے ہی کہا قد حسبت ان لا یقبل ابن زیاد العافیۃ
اب میں سمجھا کہ ابن زیاد کوئی سمجھوتہ نہیں چاہتا (طبری ج ۶ صفحہ ۲۳۳)
عمر سعد کا خیال صحیح تھا، حسین ایسے کمزور متلون مزاج غیر ثابت قدم نہ تھے
کہ کسی بڑے خطرہ سے سہم کر اپنے اصول سے ہٹ جائیں۔ اُنھوں نے جو کہا تھا وہی کیا
دنیا نے دیکھ لیا کہ مصائب کے ہمت شکن پہاڑ اُن کے ثبات قدم اور کوہ گراں
استقلال کے سامنے سبک نظر آرہے تھے۔ اُنھوں نے یزید کی بیعت نہ کی جس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ دسویں محرم کی عصر کو زمین کربلا بنی فاطمہؑ کے خون سے رنگین تھی اور شہدائے حق کے بے سر لاشے زمین و آسمان سے اُنکی جانبازی کا مرثیہ پڑھوا رہے تھے۔

ابتدا اور انتہا و وسط کے واقعات کو تاریخ کے طول طویل اوراق میں سے منتخب کر کے حسب موقع ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ:-

(۱) حسینؑ بن علیؑ کا مدینہ سے مہاجرت کرنا کس سبب سے تھا؟

(۲) کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد کی حکومت کس غرض کیلئے تھی؟

(۳) حسینؑ بن علیؑ سے ابن زیاد کے خط کی بنا پر آخری مطالبہ کیا تھا جسکے نہ منظور کرنے کا نتیجہ قتل حسینؑ کی صورت میں ظاہر ہوا؟

جواب ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت اور اُسکے تسلیم کرنے کا مطالبہ یہی وہ تھا جو قتل حسینؑ کا سبب تھا اور اسی مطالبہ کا منظور نہ کرنا اس عظیم شہادت کا باعث ہوا۔ یزید نے بھی خود اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ اُس وقت جب مخدرات خاندانِ رسالت امام زین العابدینؑ کے ساتھ یزید کے دربار میں لائے گئے یزید نے امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہو کر کہا۔

یا علی ابوك الذي قطع رحمي وجهل حقي ونازعني سلطاني

فصنع اللہ بہ ما قد رأیت۔

"اے علی بن الحسین تمھارے باپ نے میری قرابت داری کا لحاظ اور میرے حق کا پاس نہ کیا اور میری حکومت سے اختلاف کیا جس کا نتیجہ تم دیکھ رہے ہو"
(طبری ص۲۶۵)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتل حسینؑ کا سبب یزید کی خلافت سے اختلاف تھا اور یہی وہ بنیاد تھی جس کی بنیاد پر قاتلانِ حسین نے اس عظیم فعل کا ارتکاب کیا۔

اب رہی یہ تنقیح کہ یزید کی خلافت کس فرقہ کے مذہبی تعلیمات کی رو سے صحیح اور اُسکی حمایت حق بجانب ہو سکتی ہے؟

یہ امر کچھ زیادہ توضیح کا محتاج نہیں کہ شیعوں کے مذہبی اصول میں یزید بلکہ اُس سے بڑھے چڑھے افراد کی خلافت کو کوئی جگہ حاصل نہیں ہے۔ اُنھوں نے تو سرے سے اُس سلسلہ ہی سے اظہار براءت کیا ہے جس کی بانچویں یا چھٹی کڑی میں یزید کی امامت و خلافت کو تسلیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

رہ گئے اہل سنت مجھ کو اُن کے مذہب پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن امام اہلسنت حافظ شام جلال الدین سیوطی جو علمائے اسلام میں ایک نمایاں فرد اور ذمہ دار شخص کہے جا سکتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی تاریخ الخلفاء میں اس مطلب کو بالکل صاف کر دیا ہے جس کے بعد شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

پہلے وہ کتاب کے دیباچہ میں سبب تالیف لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ھذا تاریخ لطیف ترجمت فیہ الخلفاء امراء المومنین القائمین بامر الامۃ من عھد ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ الی عھدنا ھذا علی ترتیب زمانہم

"اس پرلطف تاریخ میں میں نے حالات لکھے ہیں خلفاء کے جو امیر المومنین تھے اور اُمت اسلامیہ کی ریاست کے مالک تھے ابوبکر صدیق رض کے عہد سے لیکر اپنے عہد تک اُن کے زمانۂ خلافت کی ترتیب کے مطابق"!

انہی الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ جن اشخاص کے حالات لکھنا چاہتے ہیں اُن میں سے ہر ایک کو امیر المومنین کہنے کیلئے طیار ہیں اور اُنکی خلافت اُن کے نزدیک صحیح و مسلم تھی لیکن اس کے بعد نقطۂ نظر پر پوری روشنی پڑتی ہے جبکہ وہ مصر کے خلفاء بنی فاطمہ کے حالات کو اس کتاب میں ترک کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں

لم اورد احدا من الخلفاء العبیدیین لان امامتہم غیر صحیحۃ لامور

میں نے اس کتاب میں خلفاء عبیدیین میں سے کسی کا تذکرہ نہیں کیا ہے اسلئے کہ اُن کی امامت و خلافت متعدد وجوہ سے صحیح نہ تھی، پہلے یہ کہ وہ قریشی نہ تھے اُنکو ناواقف عوام فاطمی النسل سمجھنے لگے ورنہ حقیقۃً اُن کا مورث اعلیٰ ایک مجوسی شخص تھا۔

(افسوس ہے کہ تاریخ نے اُن ریشہ دوانیوں کو جو خلیفہ عباسی کی طرف سے سلاطین بنی فاطمہ کے خلاف اُن کے نسب میں قدح کے متعلق کی گئی تھیں اور جن صورتوں سے بجبر و قہر اُس محضر پر دستخط لئے گئے تھے ہمارے سامنے پیش کر کے علامہ سیوطی کے اِس عذر کو غیر وقیع بنا دیا ہے۔)

دوسرے یہ کہ اکثر ان میں سے بد عقیدہ کفر و زندقہ کی طرف مائل اور اسلام سے خارج تھے اور ان میں سے بعض نے انبیاء کی شان میں گستاخیاں کیں اور بعض نے شراب کو مباح سمجھا اور بعض نے خود اپنے لئے سجدہ کا حکم دیا اور جو انہیں ان تمام عیوب سے پاک ڈھونڈھا جائے اُس میں بھی یہ ضرور ہے کہ وہ کٹر رافضی ہے کہ جو سب صحابہ کا حکم دیتا ہے۔

ومثل ھؤلاء لا تنعقد لھم بیعۃ ولا تصح لھم امامۃ

اور جو ایسے اشخاص ہوں اُنکی بیعت درست نہیں ہو سکتی اور نہ امامت اُنکی صحیح ہے"

میں حافظ سیوطی سے محاسبہ نہیں کرنا چاہتا نہ اس کی تحقیق کرونگا کہ مذکورہ بالا الزامات صحیح ہیں یا نہیں۔ نہ یہ دریافت کرونگا کہ کیا خلفائے بنی امیہ و عباسیہ میں ایسے افراد نہ تھے جن سے کفر و زندقہ کا ظہور ہوا اور جو شراب اور لواطہ ایسے معاصی کو جائز سمجھے اور نہ اس سوال کی زحمت دوں گا کہ کیا اُن میں سب صحابہ کی نظیریں نہیں پائی جاتیں اسلئے کہ میں اگر ایسا کروں تو مناظرہ کرا ایکی سعی

وادی میں میرا قدم پڑ جائیگا اور میں نے مناظرہ کیلئے قلم نہیں اُٹھایا ہے میں تو صرف ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے تاریخی حقائق پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حافظ سیوطی کی اس معذرت میں یہ امر بالکل صاف ہو گیا کہ کتاب میں جن اشخاص کا تذکرہ ہے وہ ایسے ہی ہیں جن کی بیعت قواعد کے مطابق اور جنکی امامت وخلافت صحیح وجائز طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

اس کے بعد جب ہم اسی تاریخ الخلفاء کی سیر کرتے ہوئے ص۲۰۰ پر پہونچتے ہیں تو جلی حرفوں میں یہ سُرخی نظر آتی ہے۔ یزید بن معاویۃ ابو خالد الاموی جس کے ذیل میں مستقل طور پر یزید کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اسی سے صاف ظاہر ہے کہ یزید کی بیعت صحیح و درست اور امامت و خلافت اُسکی جائز اور قابل تسلیم تھی

اور صفحہ ۹ میں جناب سالتمآب کی حدیث لا یزال ھذا الدین قائما حتی یکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ کی تشریح میں خلفاء کی فہرست لکھتے ہوئے جو اسماء درج کئے ہیں وہ بھی یوں ہیں۔

ان الناس اجتمعوا علی ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی الی ان وقع امر الحکمین فی صفین فتسمّٰی معاویۃ یومئذ بالخلافۃ ثم اجتمع الناس علی معاویۃ عند صلح الحسن ثم اجتمعوا علی ولدہ یزید و لم ینتظم للحسین امر بل قتل قبل ذلک۔

خلافت کی ترتیب یوں ہے کہ لوگوں نے ابوبکر پر اجماع کیا تو وہ پہلے خلیفہ

ہوئے) پھر عمر پھر عثمان پھر علیؑ یہانتک کہ تحکیم کا مسئلہ پیش آیا، اُسوقت معاویہ نے
خلافت کا ادعا کر لیا لیکن لوگوں کا اجماع اُنکی خلافت پر حسنؑ کی صلح کے موقع پر
ہوا اور اسکے بعد یزید کی خلافت پر اجماع ہوا حسینؑ کیلئے امامت حاصل نہ ہو سکی
بلکہ وہ اس کے قبل ہی قتل ہوگئے لہٰذا انھیں خلفاء میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول بھی شرح صحیح بخاری میں حدیث
مذکور کی شرح میں یوں ہی ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت صحیح و جائز
اور حق بجانب تھی اور ان دونوں ذمہ دار حفاظ و اماموں اہل سنت کی تحریر کے
بعد اسمیں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اسی [illegible] کی خلافت تسلیم کرانے
کے لئے حسینؑ بن علیؑ قتل کئے گئے جس کے بعد قدرۃً یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ
اُس مذہب کے نام لیوا تھے جسمیں یزید کی خلافت صحیح و جائز ہے اور اُن کو شیعہ فرقہ
سے کوئی تعلق نہ تھا۔

قاتلان حسین کے مذہب پر تاریخی شواہد و نصوص

تاریخی اوراق اُن نصوص و شواہد سے چھلک رہے ہیں جن سے قاتلان امام حسین
کا مذہب بے پردہ ہو کر سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس جماعت سے علیحدہ
نہ تھے جو کثرت کی صورت میں ہمیشہ سے سوادِ اعظم کا مصداق بنا رہا ہے تفصیل
کیلئے ایک طویل وقت و فرصت کی ضرورت ہے لیکن بغیر کسی مخصوص تتبع اور ریسرچ کرنے کے

جو شواہد پیش نظر ہیں اُن کو قلم برداشتہ فہرست کے طور پر درج کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔

(۱)

وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل کوفہ میں آ کر فرزند رسولؐ کی بیعت لے رہے ہیں اور بنی امیہ کے مظالم سے گھبرائی ہوئی خلقت اس موقع کو غنیمت جانکر ٹوٹ پڑی ہے اور نعمان بن بشیر جو کوفہ کا حاکم ہے اپنی فطری صلح پسندی کے باعث طرح دے رہا ہے عین اسی موقع پر ایک خط جاتا ہے کوفہ سے یزید کے پاس جس کی عبارت یہ ہے

(اما بعد فان مسلم بن عقیل قد قدم الکوفۃ فبایعہ الشیعۃ للحسین بن علی فان کان لک بالکوفۃ حاجۃ فابعث الیہا رجلا قویا ینفذ امرک ویعمل مثل عملک فی عدوک فان النعمان بن بشیر رجل ضعیف او ھو یتضعف"

مسلم بن عقیل کوفہ آ گئے ہیں اور شیعوں نے اُن کے ہاتھ پر حسینؑ بن علیؑ کی بیعت کی ہے۔ اگر آپ کو کوفہ میں اپنی سلطنت قائم رکھنا ہے تو ایک طاقت دار شخص کو یہاں مقرر کیجیے جو آپ کے حکم کو نافذ کرے اور دشمن کے ساتھ وہ سلوک کرے جو آپ خود اگر ہوتے تو کرتے اسلئے کہ نعمان بن بشیر (جو کوفہ کا حاکم ہے) وہ فطرۃً کمزور ہے یا کسی وجہ سے کمزوری کر رہا ہے"

اس مضمون کے لکھنے والے تین آدمی ہیں (۱) عبداللہ بن مسلم بن سعید

حضرمی حلیف بنی اُمیہ (۲) عمارۃ بن عقبہ (۳) عمر بن سعد بن ابی وقاص یزید نے اس خط کو دیکھکر اُن واقعات کے بعد جو سابق میں نظر سے گذر چکے ہیں حجرِ فرمان ابن زیاد کے نام لکھا اُسکی عبارت قابل دید ہے۔

(اما بعد فانہ کتب الیّ شیعتی من اہل الکوفۃ یخبرونی ان ابن عقیل بالکوفۃ یجمع الجموع لشق عصا المسلمین فسر حین تقرأ الخ

میرے پاس میرے شیعوں نے جو کوفہ کے رہنے والے ہیں یہ لکھا ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں جتھے جمع کر کے مسلمانوں کی موجودہ بنی بنائی بات کو بگاڑنا چاہتے ہیں لہذا تم فوراً وہاں جاؤ اور مسلم پر قابو حاصل کر کے سزا دو (طبری ج ۶ ص ۱۹۹-۲۰۰)

محترم ناظرین! اب جان تو لیا ہوگا یہ عمر سعد کون ہے جو اس خط کے لکھنے والوں میں ہے؟ بیشک یہ وہی سپہ سالار ہے جو حسینؑ بن علی کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا۔ جس نے سب سے پہلا تیر لشکر حسینؑ کی طرف رہا کیا تھا (طبری ج ۶ ص ۲۴۴) اُسکی یہ لفظیں کہ بایعتہ الشیعۃ للحسین بن علی "شیعہ جماعت نے مسلم کے ہاتھ پر حسینؑ کی بیعت کر لی ہے" صاف بتلاتی ہیں کہ اس شخص کو جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور پھر یزید کی یہ تحریر کہ کتب الیّ شیعتی من اہل الکوفۃ مجھ کو میرے شیعوں نے کوفہ سے لکھا ہے استلارہی ہیں کہ یہ شخص یزید کا شیعہ اور اُسکی خلافت کو تسلیم کرنے والی جماعت سے تھا، اب اس کا فیصلہ ہمارے مضمون کی گذشتہ قسط دیکھنے والے ناظرین کے ہاتھ ہے کہ اُسکا تعلق کس فرقہ کے ساتھ ہو سکتا ہے؟۔

(۲)

حسینؑ بن علیؑ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر کوفہ کے قریب پہونچ چکے ہیں اور
حصین بن تمیم کے حکم سے جو قادسیہ میں ناکہ بندی کیلئے مقرر تھا حر بن یزید
ریاحی ایک ہزار کی فوج کیساتھ سدِ راہ ہونے کیلئے آگیا ہے اور وہ حضرت کے
ساتھ ساتھ ہے کہ حضرت کو مدینۂ رسول واپس نہ جانے دے اور چلتے چلتے یہ قافلہ
نینوا پہونچا اُسی وقت ایک مسلح ناقہ سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا جس کا
دونوں طرف کے لوگ بے چینی سے انتظار کرنے لگے جب وہ قریب پہونچا تو اُس نے
حر اور اصحاب حر کو تو سلام کیا لیکن حسینؑ بن علیؑ اور اُن کے اصحاب کو سلام نہیں کیا
وہ ابن زیاد کا خط لایا تھا حر کے نام جس میں لکھا تھا کہ "میرا خط پہونچتے ہی حسینؑ کے
ساتھ سختی شروع کر دینا اور اُن کو ایسی جگہ اُترنے دینا جہاں اُن کے لئے کوئی
محفوظ جائے پناہ نہ ہو اور نہ پانی ہی نزدیک موجود ہو"

امام حسینؑ کے ساتھیوں میں سے یزید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثاء کندی
نے خط لانے والے کو پہچانا اور پکار کر کہا کہ

"کیا مالک بن نسیر بدی ہے؟"

اُس نے کہا "ہاں میں وہی ہوں" ابو الشعثاء نے کہا ثکلتک امک
ماذا جئت فیہ "خدا تجھے غارت کرے۔ یہ تو کس کام کیلئے آیا ہے؟"

اُس نے جواب دیا "وماجئت فیہ اطعت امامی ووفیت بیعتی" یں اور کس کام کو آیا ہوں؟ میں نے اپنے امام کی اطاعت کی اور بیعت کو پورا کیا"۔ ابوالشعثاء نے کہا کہ

عصیت ربك واطعت امامك فی ھلاك نسلك کسبت العار والنار وقال اللہ عزوجل وجعلنا منھم ائمۃ یدعون الی النار ویوم القیمۃ لاینصرون فھو امامك"

تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کرکے اپنی ہلاکت کا سامان کیا، تو نے دنیا کی فضیحت اور عذاب آخرت دونوں کو مول لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایسے امام بھی ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور روز قیامت اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا، اِن معنوں سے بیشک وہ تیرا امام ہے (طبری ج ۶ ص ۲۳)

یہ مالک بن نسیر کون ہے؟ یہ وہی ہے کہ روز عاشور جب زندرسولؐ زخموں سے چور ہوکر زمین پر تشریف لا چکے تھے تو وہ شقی آیا اور حضرت کے سر اقدس پر تلوار لگائی جو عمامہ کو کاٹ کر سر میں اتری اور تمام عمامہ خون سے تر ہوگیا طبری میں اس واقعہ کا تذکرہ حسب ذیل عبارت میں ہے۔

"مکث الحسین طویلا من النھار کلما انتھی الیہ رجل من الناس انصرف عنہ وکرہ ان یتولّٰی قتلہ وعظیم اثمہ علیہ قال

وان رجلا من کندۃ یقال لہ مالک بن النسیر من بنی بداء اتاہ فضرب علی راسہ بالسیف وعلیہ برنس لہ فقطع البرنس واصاب السیف راسہ فادمی راسہ فامتلأ البرنس دما فقال لہ الحسین لا اکلت بھا ولا شربت وحشرک اللہ مع الظالمین (ج ۶ ص ۲۵۶)

اُس کا یہ کہنا کہ اطعت امامی ووفیت ببیعتی صاف بتلا رہا ہے کہ وہ یزید کو امام وقت سمجھتے ہوئے اُسکی بیعت کا پابند تھا اور یہ شیعہ مذہب سے اُسکی بے تعلقی اور دوسری جماعت سے وابستگی کی بہترین دستاویز ہے۔

اُسکے مقابلہ میں ابوالشعثاء کا یہ جواب کہ وہ اُن ائمہ میں سے ہے جو نارِ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں عقیدۂ تشیع کا پورا مظاہرہ ہے اور اس مقابلہ سے ظاہر ہے کہ کون جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

(۳)

فرزندِ رسولؐ کربلا میں پہونچے اور دشمنوں نے محاصرہ کر لیا، ساتویں تاریخ قاصد آتا ہے اور ابن زیاد کی طرف سے عمر سعد کو یہ خط دیتا ہے۔

اما بعد فحل بین الحسین واصحابہ وبین الماء ولا یذوقوا منہ قطرۃ کما صنع بالتقی الزکی المظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان

حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے سامنے پانی کی طرف سدِ راہ ہو جاؤ اور انکو

ایک قطرہ چکھنے کو بھی ملنے نہ پائے جیسا کہ تقی زکی مظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا (طبری ج ۶ صفحہ ۲۴۲)

ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۸۲ھ نے بھی اپنی کتاب (الاخبار الطوال) طبع مصر صفحہ ۲۵۳ میں اس خط کو حسب ذیل لفظوں میں نقل کیا ہے۔

"امنع الحسین واصحابہ الماء فلا یذوقوا منہ حسوۃ کما فعلوا بالتقی عثمان بن عفان"

کہاں ہیں قاتلان حسینؑ کو شیعہ کہنے والے آئیں اور آنکھیں کھول کر اپنے امام اور حافظ محمد بن جریر طبری کی تحریر پر نظر ڈالیں اور پھر بتلائیں کہ قاتلان حسینؑ کا مذہب کیا تھا؟ حضرت عثمان کی مظلومیت کا مرثیہ خواں کون ہو سکتا ہے؟ حضرت عثمان کو امیر المومنین کون کہتا ہے؟ حضرت عثمان کے خون کا بدلا لینے کا حق کس کو ہو سکتا ہے؟

اگر شیعہ انہی عقائد کے رکھنے والوں کا نام ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے تمام ان احادیث کو جن میں شیعوں کی مدح ہے اپنی جماعت پر چسپاں کرنے کی فکر کی ہے (دیکھو صواعق محرقہ طبع مصر صفحہ ۹۳ و ۹۵) تو ہمیں بھی یہ کہنے میں عذر نہیں کہ قاتلان امام حسین علیہ السلام شیعہ تھے۔

(۴)

نویں محرم کی شام اور عمر سعد کا اپنے لشکر کو حکم دینا کہ فوج حسینی پر حملہ کرو، اور سید الشہداء کا حضرت عباس کو حکم دینا کہ وہ فوج کے سامنے جاکر انکا مقصد معلوم کریں، وہ وقت تھا کہ حضرت عباس بیس سواروں کی جمعیت میں دشمن کے ٹڈی دل لشکر کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ یہ بے وقت کی پیشقدمی کیسی؟
جواب ملا "امیر کا حکم ہے کہ یا تم لوگ اطاعت قبول کرو اور یا فیصلہ کن جنگ ہو جائے"
جناب عباس یہ کہکر کہ میں امام حسینؑ سے جاکر عرض کرتا ہوں۔ وہاں سے ہٹے اور وہ جماعت کہ جو آپکے ساتھ تھی وہیں کھڑی رہی حبیب بن مظاہر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور چاہا کہ فریق مقابل کے سامنے تبلیغ و موعظہ کے فرض کو انجام دیں اور یوں تقریر شروع کی:-

"یاد رہے خدا کی قسم بدترین قوم وہ ہوگی جو روز قیامت خدا کا سامنا کریگی اس حالت میں کہ اُس نے نبی کی ذریت کو قتل کیا ہوگا اور انکی عترت کا خون بہایا ہوگا اور اُن کے ساتھ اُن عابد و زاہد خدا کے بندوں کو جو پچھلے پہر عبادت خدا کرتے اور جن کی زبانیں ذکر الٰہی کے ساتھ متحرک رہتی ہیں بے گناہ قتل کیا ہوگا"۔
عزرہ بن قیس احمسی جو فوج مخالف میں تھا اُس نے مذاق کے طور پر کہا۔
"حبیب جہانتک ہوتا ہے تم اپنی تعریف ضرور کرتے ہو کہ میں بڑا عابد تہجد گذار ہوں

زہیر بن قین نے پکار کر کہا "عزرہ اس میں حد بے کار کیا ہے۔ خدا ہی نے
اُن کے نفس کو آراستہ کیا ہے اور اُس کو راہ راست کی طرف ہدایت کی ہے۔
عزرہ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے خوف کرو اور خدا کا واسطہ تم
اس جماعت میں نہ رہو کہ جو گمراہ ہو کر بے گناہ نفوس کے قتل کا ارتکاب کر رہی ہے۔"
عزرہ بن قیس یہ سنکر زہیر کی طرف مڑ گیا اور کہا۔
یا زہیر ماکنت عندنا من شیعۃ اھل ھذا البیت انما
کنت عثمانیا۔
اے زہیر تم ہو۔ تم تو ہماری دانست میں اس خاندان کے شیعوں میں سے نہ تھے
بلکہ عثمانی مذہب رکھتے تھے۔
زہیر نے کہا۔
افلا تستدل بموقفی ھذا انی منھم الخ
اچھا اب تو میرے یہاں ہونے سے تم سمجھے کہ میں شیعیان اہلبیت میں ہوں
یاد رکھو کہ میں نے امام حسینؑ کو نہ کبھی کوئی خط بھیجا تھا نہ کوئی قاصد روانہ کیا
تھا اور نہ کبھی نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستے میں اتفاق سے مجھ سے اُن سے
ملاقات ہو گئی اُس وقت مجھے رسالتمآبؐ کا اور اُس تعلق کا جو ان کو حضرت رسولؐ سے
ہے خیال آگیا اور مجھکو معلوم ہوا کہ وہ اپنی دشمن جماعت یعنی تمہارے گروہ کیطرف
جا رہے ہیں۔ اسوقت میں نے دل پر ٹھان لی کہ انکی مدد کروں اور انکے انصار میں داخل ہو کر

اپنی جان کو اُن پر سے فدا کر دوں خدا و رسول کے اُن حقوق کی نگہداشت کیلئے جنھیں تم نے ضایع و برباد کر دیا ہے (طبری ج ۶ ص ۲۳۱)

"تم تو شیعہ جماعت سے نہ تھے بلکہ عثمان کے ماننے والوں میں سے تھے"

صریحی دلیل ہے کہ یہ طے شدہ امر تھا کہ اسوقت جو حسینؑ کا ساتھ دے وہ شیعہ جماعت سے ہے اور وہ لوگ جو اُن کے مقابل میں تلواریں کھینچے ہوئے ہیں عثمانی المسلک اور مخالف تشیع ہیں اور زہیر کا یہ مقولہ کہ "اب تو میرے یہاں ہونے سے سمجھے کہ میں شیعۂ اہل بیت ہوں" وہ بھی اسکا زبردست مؤید ہے

(۵)

روز عاشور جبکہ جنگ چھڑ چکی ہے اور انصار حضرت سید الشہدا کی ایک کافی تعداد قتل ہو چکی ہے اُسوقت یزید بن معقل قبیلہ بنی عمیرہ بن ربیعہ میں سے لشکر عمر سعد کی صف سے باہر نکلتا ہے اور بریر بن خضیر کو آواز دیکر کہتا ہے۔

کیف ترئ اللّٰہ صنع بک دیکھتے ہو خدا نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا۔

یہ سنکر بریر نے جو اصحاب حضرت سے تھے جواب دیا صنع اللّٰہ واللّٰہ بی خیرا و صنع اللّٰہ بک شرا۔ میرے ساتھ تو خدا نے اچھا سلوک کیا ہے لیکن تیری بڑی بری درگت لگائی"

یزید نے کہا۔

كذبت وقبل اليوم ما كنت كذاباً هل تذكر وانا اماشيك فی بنی لوذان وانت تقول ان عثمان بن عفان كان على نفسه مسرفا وان معاوية بن ابی سفيان ضال مضل وان امام الهدى والحق علی بن ابی طالب۔

"تم تو جھوٹ کہہ رہے ہو اگرچہ اسکے قبل تم کبھی جھوٹ بولتے نہ تھے، اچھا تمھیں یاد ہے جب میں تمھارے ساتھ بنی لوذان کی جماعت میں جا رہا تھا اور اُسوقت تم حضرت عثمان کے متعلق کہہ رہے تھے کہ (معاذ اللہ) وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے یعنی معصیت کار شخص تھے اور معاویہ بن ابی سفیان گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور سچا امام و رہنما اگر ہے تو وہ صرف علی بن ابی طالبؑ۔

بریر نے کہا "بیشک میرا مذہب یہی تھا اور اب بھی میں اپنی بات پر قائم ہوں۔"

یزید بن معقل:- فانی اشهد انك من الضالین میں تو گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ ہو۔"

بریر:- "اچھا تو یہ تدبیر کرو کہ ہم اور تم مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ کاذب پر لعنت کرے اور جو باطل پر ہو وہ دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہو پھر اسکے بعد میں نکلکر تم سے جنگ کروں۔"

یزید:- اچھا یونہی سہی۔

مباہلہ ہوا اور دونوں نے دعا کی کہ بار الہا جو حق پر ہو وہ دوسرے کو قتل کرنے میں کامیاب ہو اسکے بعد آپس میں تلوار چلنے لگی۔ یزید نے ایک وار بریر پر کیا جو

اوچھا پڑا اور کوئی صدمہ بریر کو نہ پہونچا، بریر کی جو باری آئی تو ایک تلوار ایسی لگائی جو مغفر کو کاٹتی ہوئی کاسہ سر میں پہونچی اور وہ گھوڑے سے گرا اس طرح تلوار بریر کی اُسکے سر میں قائم تھی اور بریر نے اطمینان کیساتھ تلوار کو اُس کے سر سے کھینچا (طبری ج ۶، ص ۲۴۷)

اب تو معلوم ہوا کہ انصار حضرت سید الشہدار کا مذہب کیا تھا اور مخالف جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

مجھ کو یہ دیکھکر مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اپنی زبان سے نہیں اور نہ اپنا طبعزاد بلکہ وہ ایک مسلم امام فن اور حافظ اہلسنت کی تاریخی شہادت ہے جسکے دیکھنے کیلئے دیدۂ بینا کی ضرورت ہے۔

مباہلہ کا نتیجہ تاریخ کے اندر غیر مبہم لفظوں میں سامنے موجود ہے اور جس بات پر مباہلہ ہوا تھا وہ بھی بغیر کسی گنجلک کے پیش نظر ہے، اس سے حق و باطل کا نقشہ بھی بغیر کسی حجاب کے سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ حق کس طرف تھا اور وہ کیونکر ظاہر ہوا۔

(۶)

بریر لڑ بھڑ کر قتل ہو گئے اور اُنکا قاتل کعب بن جابر بن عمرو ازدی فتح و ظفر کی مسرّت اور جائزہ و انعام کے خوشگوار توقعات کیساتھ واقعہ کربلا کے بعد اپنے گھر

کوفہ واپس گیا، لیکن اُسکی بیوی یا بہن نوار بنت جابر نے کہا "تونے فرزند فاطمہ زہرا کے قتل میں شرکت کی اور سید القراء (بریر) کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے بڑا غضب کیا اب میں تجھ سے کبھی بات نہ کرونگی۔"

اس موقع پر کعب بن جابر نے جو اشعار نظم کئے وہ درج ذیل ہیں۔

سلی تخبری عنّی وانت ذمیمة غداة حسین والرماح شوارع

لوگوں سے دریافت کر تجھے معلوم ہوگا میرا حال حسینؑ والے دن جبکہ نیزے جنگ کے لئے سیدھے ہو چکے تھے۔

الم آت اقصیٰ ما کرهت ولم یخل علیّ غداة الروع ما انا صانع

کیا میں نے بہترین طریقہ پر انجام نہیں دیا اُس امر کو جس کا تجھ کو صدمہ ہے اور عالم جنگ میں اُس کارنمایاں کے انجام دینے میں مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی

معی یزنیّ لم تخنہ کعوبہ وابیض مخشوب الغرارین قاطع

میرے پاس ایسا نیزہ تھا جس نے میدان جنگ میں دغا نہیں کی اور تلوار تھی کہ جس کی دھار تیز اور کاٹ دار تھی۔

فجرّدتہ فی عصبة لیس دینھم بدینی وانی بابن حرب لقانع

مین نے اُس تلوار کو کھینچ لیا ایسی جماعت کے قتل کیلئے کہ جنکا مذہب میرے مذہب سے جداگانہ ہے اور میرا دار و مدار تو ابوسفیان کی اولاد پر ہے۔

ولم ترعینی مثلھم فی زمانھم ولا قبلھم فی الناس اذا انا یافع

اس میں شک نہیں کہ میری آنکھ نے اُن لوگوں کے ایسے لوگ نہ دیکھے تھے نہ اُن کے زمانہ میں اور نہ اُن کے پہلے اُسوقت کہ جب میری نوجوانی تھی۔

۲ سنذ قراعا بالسیوف لدی الوغا الا کل من یحمی الذمار مقارع

جو تمام دنیا سے زیادہ جنگ کے موقع پر سخت شمشیر زنی کرنیوالے ہوں اور بیشک جو اپنی ذمہ داری کی حفاظت کرنے والا ہوگا وہ اسی طرح شمشیر زنی کریگا

وقد صبروا للطعن والضرب حسّرا وقد نازلوا ان ذلک نافع

وہ نیزہ و شمشیر کھانے کیلئے زرہیں اُتار اُتار کر مقابلہ پر کھڑے رہے اور جنگ بھی خوب کی لیکن (قلت تعداد اور دشمن کی قوت کے سبب سے) اُن کو جنگ سے فائدہ کب پہونچ سکتا تھا۔

فابلغ عبید اللہ اما لقیتہ بانی مطیع للخلیفۃ سامع

کوئی میرا پیغام ابن زیاد سے ملکر پہونچائے کہ میں بجان و دل خلیفۂ وقت کا مطیع و تابع فرمان ہوں (طبری ج ۶ صفحہ ۲۴۸)۔

"لیس دینھم بدینی" کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ اُس کا مذہب انصار امام حسینؑ کے مذہب کے خلاف ہے اور امام حسینؑ کے مذہب کی تصویر اُس عقیدہ میں صاف نظر آرہی ہے جس کا مباہلہ کے موقع پر برملا اعلان کردیا۔ اگر سواد اعظم اسلام اسی عقیدہ کا معتقد ہے کہ جس کا برملا اظہار کیا تو یونہی سہی اور اگر وہ اُس عقیدہ کے خلاف ہے تو پھر قاتلان امام حسینؑ کا مذہب بھی معلوم۔

(۷)

اب اصحاب امام حسینؑ میں سے نافع بن ہلال جملی جنگ کیلئے نکلے اور وہ یوں رجز پڑھ رہے تھے۔

(انا الجملی انا علی دین علیؑ)

"میں قبیلہ بنی جمل میں سے ہوں اور علی کے مذہب پر ہوں۔

ایک شخص مقابلہ پر نکلا جس کا نام مزاحم بن حریث تھا اس نے کہا انا علی دین عثمان "میں تو عثمان کے مذہب پر ہوں"۔

نافع نے کہا "انت علی دین شیطان" یہ کہکر حملہ کیا اور اُسے قتل کر ڈالا (طبری صہ ۲۴۹)

لے لیجیے! اب تو تاریخ نے کوئی تسمہ باقی نہیں رکھا، طرفین کے مذہب کو اتنی روشنی کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۸)

عین موقع جنگ پر لشکر عمر سعد میں عمرو بن الحجاج نے کھڑے ہو کر آواز دی

یا اهل الکوفة الزموا طاعتکم وجماعتکم ولا ترتابوا فی قتل من مرق من الدین وخالف الامام۔

اے اہل کوفہ امیر کی اطاعت اور اپنی متفقہ رائے پر سختی سے قائم رہو۔ اور کوئی شک نہ کرو ان لوگوں کے قتل میں جو مذہب سے نکل گئے ہیں اور امام کی مخالفت کر رہے ہیں۔"

امام حسینؑ نے یہ آواز سنی اور فرمایا "اے عمرو بن الحجاج تو میری جنگ کیلئے لوگوں کو آمادہ کر رہا ہے؟! کیا ہم مذہب سے نکل گئے اور تم مذہب پر قائم ہو؟ خدا کی قسم جب یہ چند روزہ زندگی ختم ہوگی اور موت کا مزہ چکھو گے اسوقت معلوم ہوگا کہ کون مذہب سے نکلا تھا اور کون آتش جہنم میں سزا پانیکا مستحق ہے۔"

(طبری ص ۳۳۹)

اب کوئی بتلائے کہ وہ کون سا مذہب ہے جس سے علیحدہ ہونیکا الزام حسینؑ واصحاب حسینؑ کو دیا جا رہا ہے اور یزید کی امامت کو تسلیم کرتے ہوئے مخالفت امام کا الزام تاریخ الخلفاء سیوطی کی روشنی میں کس جماعت کی طرف سے عاید کیا جا سکتا ہے؟!!

(۹)

فرزند رسولؐ شہید ہو چکے اور حرم رسالت کے مخدرات اسیر ہو کر دربار ابن زیاد میں لائے گئے اور ابن زیاد نے اعلان کرایا کہ لوگ مسجد جامع میں جمع ہوں۔ اس موقع پر ابن زیاد نے منبر پر جا کر جو تقریر کی ہے اسکا افتتاحی حصہ یہ ہے کہ:-

الحمد للہ الذی اظہر الحق واھلہ ونصر امیر المومنین یزید بن معاویۃ وحزبہ وقتل ...... الحسین بن علی وشیعتہ

"خدا کا شکر جس نے حق اور اہل حق کو فتح عنایت کی اور خلیفۂ وقت یزید بن معاویہ اور اُن کے گروہ کی مدد فرمائی اور حسینؑ بن علیؑ کو ان کے شیعوں سمیت قتل کیا"۔ (طبری صفحہ ۲۶۳)

اس سے بھی صریحاً ظاہر ہے کہ حسینؑ کے ساتھ قتل ہونیوالی جماعت شیعہ تھی اور اُن کے قتل کرنے والے اس جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ وہ اُس مذہب کے نام لیوا تھے جسے ابن زیاد حق کہتے ہوئے اسکی فتح پر شکر ادا کر رہا ہے اور وہ یزید کو امیر المومنین اور خلیفۂ حق سمجھنے والی جماعت میں داخل تھے۔

(۱۰)

شہدائے راہ خدا کے سر ابن زیاد کے حکم سے زحر بن قیس کیساتھ امیر شام یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور زحر نے دربار میں آکر فتح و نصرت کی مبارکباد دیتے ہوئے کربلا کا واقعہ اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

ابشر یا امیر المومنین بفتح اللہ ونصرہ ورد علینا الحسین بن علی فی ثمانیۃ عشر من اھل بیتہ وستین من شیعتہ فسرنا الیھم فسالناھم ان یستسلموا وینزلوا علی حکم الامیر عبید اللہ بن زیاد او القتال فاختاروا

القتال علی الاستسلام فعد ونا علیهم مع شروق الشمس فاحطنا بهم من کل ناحیة حتی اذا اخذت السیوف ما خذها من هام القوم یهربون الی غیر وزر ویلوذون منا بالآکام والحفر لواذا کما لاذ الحمائم من صقر فوالله یا امیر المومنین ما کان الاجزر جزور او نومة قائل حتی اتینا علی اخرهم فهاتیك اجسادهم مجردة وثیابهم مرملة و خدودهم معفرة تصهرهم الشمس و تسفی علیهم الریح زوارهم العقبان والرخم۔

خوش ہو جئے اے امیر المومنین خدا کی فتح و نصرت سے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حسینؑ بن علیؑ ہمارے سامنے آئے اور ان کے ساتھ اٹھارہ آدمی اُن کے اہلبیت میں سے تھے اور ساٹھ آدمی اُن کے شیعوں میں سے۔ ہمنے اُنسے مطالبہ کیا کہ یا تو وہ تابع فرمان ہو جائیں اور امیر عبید اللہ بن زیاد کے حکم کو تسلیم کریں اور یا جنگ کریں مگر ان لوگوں نے جنگ کو اختیار کیا۔ آفتاب نکلا ہی تھا کہ ہم اُن کی جنگ کے لئے چڑھ دوڑے اور ہر طرف سے انکا محاصرہ کر لیا۔ یہانتک کہ جب اُن کے سروں پر ہماری تلواروں نے پورا قابو پا لیا تھا تو اونکی یہ حالت تھی کہ وہ چاروں طرف بھاگتے پھر رہے تھے۔

(جتنا چاہے ظالم جھوٹ بول لے۔ امیر شام کا دربار ہی اور زبان تیرے دہن میں اور کوئی ٹوکنے والا موجود نہیں)

لیکن کہیں پناہ نہ ملتی تھی اور وہ پہاڑیوں اور گڑھوں میں چھپتے پھر رہے
تھے اُسی طرح جیسے کبوتر باز شکاری سے چھپتے پھرتے ہیں۔ خدا کی قسم اے
امیرالمومنین بس اتنی دیر لگی تھی کہ جیسے قصاب گوسفند کو ذبح کرے یا دوپہر کو
کسی کی آنکھ لگ کر کھل جائے کہ ہم نے اُنکی پوری جماعت کو کاٹ کر ڈال دیا۔ اب منظر آپ
کے پیش نظر ہے کہ اُنکے جسم برہنہ پڑے ہیں۔ اور اُن کے کپڑے خاک میں سنے اور انکے رخسار
مٹی میں بھرے ہیں۔ آفتاب پوری تمازت کے ساتھ اُن پر چمک رہا ہے اور ہوا کے جھونکے
مٹی اڑا اڑا کر اُن پر ڈال رہے ہیں اور طائرانِ ہوا اُن کے گرد جمع ہیں"۔

طبری کے راوی کا بیان ہے اگرچہ ہم کو اس کا یقین نہیں کہ اس دلدوز
مرقع کا تصور کر کے یزید کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے (ص ۲۶۴)

ابو حنیفہ دینوری کی کتاب الاخبار الطوال ص ۲۵۳ اور دمیری کی کتاب حیوۃ
الحیوان ج ۱ ص ۵۳ میں بھی یہ تقریر موجود ہے لیکن وہاں اسکی شمر بن ذی الجوشن
کی طرف نسبت دی گئی ہے جو دور از قیاس نہیں ہے۔

ہمارا مطلب اس جملہ سے ہے کہ "ستین من شیعتہ" یعنی حسین کیساتھ
اٹھارہ اُن کے اہلبیت اور ساٹھ ان کے شیعہ تھے اب تو معلوم ہوا کہ حسین کے قدم
بہ قدم انتہائی ثبات قدم و استقلال کے ساتھ جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے
جان نثار کرنے والے شیعہ ہی تھے اور وہ کثیر التعداد جماعت کہ جو قتل حسین کیلئے جمع
ہوئی تھی شیعیت سے کوئی واسطہ نہ رکھتی تھی۔

(۱۱)

قتل حسینؑ کی خوشخبری ابن زیاد کی طرف سے مختلف اطراف میں بھیجی جا رہی ہے جن میں سے عبد الملک بن ابی الحارث سلمی قاصد بنا کر مدینہ بھیجا گیا کہ وہ عمرو بن سعید بن العاص کو جو اُس وقت مدینہ کا حاکم تھا اس واقعہ کی خبر کرے قاصد پہونچا اور حاکم مدینہ کو واقعہ سے مطلع کیا۔ اُس نے کہا کہ اچھا جا مدینہ کے گلی کوچوں میں اس کا اعلان کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عبد الملک ناقل ہے۔ فلم اسمع واللہ واعیۃ قط مثل واعیۃ نساء بنی ھاشم فی دورھن علی الحسین "میں نے آج تک ایسا کہرام نہیں سنا تھا جیسا بنی ہاشم کی عورتوں میں گھروں کے اندر حسینؑ پر کہرام برپا ہو گیا تھا"

یہ دیکھکر عمرو بن سعید ہنسا اور عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر گا کر پڑھا۔

عجت نساء بنی زیاد عجۃ کعجیج نسوتنا غداۃ الارنب

یعنی آج ان عورتوں کو اُسی طرح رونا پڑا ہے جیسے ہماری عورتیں ایک وقت میں رو چکی ہیں۔ پھر کہا کہ ھذہ واعیۃ بواعیۃ عثمان بن عفان یہ کہرام بدلے میں ہے اُس کہرام کے جو عثمان بن عفان کے قتل سے ہوا تھا۔ ہاں بے خبر دنیا چند روز کیلئے ہنسا ہی ہے تو ہنس لے لیکن یاد رکھو کہ اس کا نتیجہ سر پکڑ کر رونے کے سوا کچھ نہیں، عثمان کے خون کا بدلا حسینؑ سے؟!

اچھا یوں ہی سہی لیکن یاد رہے کہ عثمان کے بعد اُن کے قاتل پھلے پھولے اور ایک طویل عرصہ تک دنیا میں زندگی بسر کی لیکن حسینؑ کے قاتل چند ہی روز میں اس طرح نیست و نابود ہوں گے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہیگا۔

یہ ہیں مسلمہ تاریخی شہادتیں جو قاتلانِ حسینؑ کے مذہب کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ ان کو شیعہ کہنے والے سامنے آئیں اور ان کا لڈ ایس طبری ہیں سے ان اوراق کو جو قاتلانِ حسینؑ کو غیر شیعہ بتلا رہے ہیں اور دریا برد کر دیں ان تاریخوں کو جو اُنکی ہمزبان ہیں اُسوقت بے شک یہ جراٴت کرنے کا موقع ہے کہ وہ پھر کہیں قاتلانِ حسینؑ شیعہ تھے"

عام اہل کوفہ کا مذہب

یہ خیال اکثر دماغوں میں گردش کرتا ہے کہ اہل کوفہ عام طور پر شیعہ مذہب رکھتے تھے کیونکہ وہ جمل و صفین و نہروان میں حضرت علیؑ کے شریک جنگ اور معاون و ہمدرد تھے اور اس طرح جو کچھ حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب سے تکلیفیں ہوئیں وہ شیعوں کی سیاہ کاریاں ہیں اور حضرت امام حسنؑ کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے وہ بھی انہی کے ہاتھوں اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا اور اسکی سند میں حسب ذیل حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت مسلم نے جو پیغام امام حسینؑ کے پاس بھیجا تھا۔ اُس میں لکھا تھا۔

لا یغدر ائ اھل الکوفۃ فانھم اصحاب ابیک الذین یتمنی فراقھم بالموت او القتل۔

اہل کوفہ کے فریب میں نہ آیئے کیونکہ آپ کے والد کے یہ وہی اصحاب ہیں جنسے بذریعہ موت یا قتل وہ جدائی کے متمنی تھے۔"

(۲) خود حضرت نے اہل کوفہ کو مخاطب کرکے فرمایا۔

اگر شمارا اے دگرگوں کنید وعہد بشکنید وحل بیعت از گردن فرو نہید قسم بجان من کہ از شما شگفت نہ باشد چہ با پدرمن علی و برادر من حسن و پسر عم من مسلم جز این نہ کردید۔" (ناسخ التواریخ)

(۳) محمد حنفیہ نے جب مکہ میں امام کو سفر عراق سے منع کرنا چاہا تو کہا "اہل جو کچھ غدر و بکرم اہل کوفہ نے آپکے پدر و برادر کے ساتھ کیا آپ جانتے ہیں، میں ڈرتا ہوں کہیں آپ سے بھی اسی طرح سلوک کریں (جلاء العیون)

لیکن مندرج ذیل دو تنقیحوں کے بعد یہ پوری تقریر باد ہوا ثابت ہوگی۔

(۱) حضرت علیؑ کی بیعت کرکے آپکے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے والوں نے آپ سے رسولؐ کے بعد بحثیت وصی برحق و خلیفۂ بلافصل بیعت کی تھی یا پہلے دوسرے تیسرے دور کے بعد بحثیت خلیفۂ رابع کے؟

(۲) حضرت علیؑ کو خلیفۂ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنیوالا کس مذہب کا شخص ہو سکتا ہے؟

شیعہ کہ جنھیں مذہبی حیثیت سے حقیقی معنی میں شیعہ کہا جاسکتا ہے اُنکی تعداد ابتدا ہی سے بہت کم تھی لیکن دوستی اہلبیت کا دم بھرنے والے اور اولاد ابوسفیان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کو حقدار خلافت سمجھنے والے جنھیں اُس زمانہ میں شیعہ علیؑ اور شیعہ اہل بیت کہا جاتا تھا اُنکی تعداد کافی تھی۔

گذرا ہے ایک وہ زمانہ کہ جب کوفہ شیعیان اہلبیت سے چھلک رہا تھا لیکن اُدھر معاویہ کا ممالک اسلامیہ پر تسلط ہوا اور کوفہ پر اپنے نامعلوم باپ کا بیٹا زیاد حاکم مقرر ہوا اُدھر شیعیان کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور عراق کی چوڑی چکلی زمین اُن پر تنگ ہو گئی۔ ان کا ہر نفس آئندہ آنے والے خطرات کی پیشین گوئی کرتا اور ہر دقیقہ وثانیہ اپنے آخری ہونے کا پیغام سناتا تھا۔

ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں اُس زمانہ کی مرقع کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

کان اشد الناس بلاء حینئذ اہل الکوفۃ لکثرۃ من بہا من شیعۃ علی فاستعمل علیہم زیاد بن سمیۃ وضم الیہ البصرۃ فکان یتتبع الشیعۃ وھو بہم عارف لانہ کان منہم ایام علی فقتلھم تحت کل حجر ومدر واخافھم وقطع الایدی والارجل وسمل العیون وصلبھم علی جذوع النخل وطردھم وشردھم عن العراق فلم یبق بہا معروف منہم۔

معاویہ کے دورِ حکومت میں تمام لوگوں سے زیادہ مصیبت میں اہلِ کوفہ تھے
اس لئے کہ وہاں شیعیانِ علیؑ کثیر تعداد میں موجود تھے وہاں کا حاکم بھی زیاد بن سمیہ
مقرر کیا گیا اور اُس نے شیعوں کی پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا اور وہ انکو پہچانتا
بھی خوب تھا کیونکہ علیؑ کے زمانہ میں وہ انہی لوگوں کے ساتھ تھا، اُس نے ان کو جہاں
پایا قتل کیا اور ہاتھ پاؤں قطع کئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں اور درختوں
پر سولیاں دلوائیں اور عراق سے جلاوطن کیا یہاں تک کہ کوئی مشہور و معروف
شخص اُن سے باقی نہیں رہا (نصائح کافیہ ص)

اس صورت حال کے بعد ناممکن تھا کہ کوفہ کے اندر شیعہ جماعت کیلئے
کوئی نمایاں حیثیت باقی رہتی بلکہ مارے جانے سولی پانے اور جلاوطن ہونے کے بعد جو
بچے کھچے اشخاص موجود بھی تھے وہ گوشوں کے اندر اور پردوں کے نیچے زندگی بسر
کرنے پر مجبور تھے اور شیعیت کا نام بھی زبان پر لانا اپنے استحقاقِ قتل کی سند
خیال کرتے تھے۔

مثل مشہور ہے کہ "ظالم کی رسی دراز ہوا کرتی ہے" زمانہ کے ورق الٹتے
رہے لیکن قدرت کو ایک طویل زمانہ تک اِن بیکسوں کا امتحان لینا منظور تھا،
صورتِ حال دو ایک ماہ دو ایک سال نہیں بلکہ بیس سال تک قائم رہی جسمیں بچے
جوان اور جوان بوڑھے اور بوڑھے فنا ہو گئے شیعیت ایک مخصوص با معرفت
اور صاحبِ ایمان جماعت میں مخفی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی اور وہ جماعت کوفہ کی

اتنے بڑے شہر میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔

رؤسائے عشائر اور شیوخ قبائل، ذمہ دار و با اعتبار اشخاص سب حکومت وقت کے ساختہ و پرداختہ اور اسکی خیرخواہی و وفاداری کی قسم کھائے ہوئے اور شاہی مذہب کے حلقہ بگوش و عقیدت کیش تھے۔

رہ گئی عام خلقت جس پر انقلابات کا دارومدار ہوتا ہے وہ بلا استثناء ہر ملک میں اور ہر جگہ "ہر کسے سکہ زند خطبہ بنامش خوانند" کے مطابق ہوا کے رُخ پر اُڑنے والی اور زمانہ کے غیر معمولی حوادث سے سرعت کیساتھ رنگ بدلنے والی ہوا کرتی ہے۔

اُن میں ایک ایسا اچانک امر جس میں جوش انگیزی کی طاقت ہو وہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے جو برسوں کی دعوت و تبلیغ پیدا نہیں کرتی۔

اسکے نمونے حکومتوں کے تغیر و تبدل اور سلاطین کے عزل و نصب کی صورت میں ہمیشہ نظر سے گذرتے رہتے ہیں اور وہ اکثر و بیشتر اسی قسم کی ناگہانی صورتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

بیشک بیس سال تک صورت حال ایک طرح رہنے کا سبب یہی تھا کہ اس مدت میں کوئی تازہ حادثہ رونما نہیں ہوا جو رجحانات طبعی سے ٹکرا کر انکو سیلاب کی طرح کسی خاص طرف متوجہ کر سکے۔

سنہ ۶۰ھ کے رجب کا مہینہ وہ تھا کہ جسمیں امیر معاویہ نے انتقال کیا اور انکا

نامزد کردہ خلیفہ و جانشین اُن کا بیٹا یزید ہوا۔ ایسے ہی مواقع وہ ہوتے ہیں جو پرسکون فضا میں تموج اور مطمئن سطح میں تلاطم پیدا کر دیتے ہیں۔ فطرۃً ہر شخص سابق فرمانروا کے بعد اپنے جدید والی سلطنت اور قسمت کے مالک کی سابق زندگی اور اُس کے اخلاق و عادات اور ذاتی خصوصیات کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے اور بیک وقت مختلف حلقوں اور جماعتوں میں یہی چرچے شروع ہو جاتے ہیں۔

یزید کے اخلاق و عادات، اُسکی مے نوشی اور شہوت رانی، اُسکی طفلانہ جوانی اور لہو و لعب میں سرگرمی۔ احکام شرعیہ سے آزادی اور خواہشات نفس کی پرستاری ایسی نہ تھی جو مخفی حیثیت رکھتی ہو۔

جاننے والوں کو یاد آ گیا اور انجام کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا اور نہ جاننے والوں کو پوچھ گچھ میں معلوم ہوا کہ ہمارا ہونے والا خلیفہ و مالک سلطنت اِن صفات و عادات کا شخص ہے۔

یقیناً اس کا نتیجہ تھا کہ ایک عام بےچینی و اضطراب اور نفرت و بیزاری کا جذبہ سینوں میں پیدا ہو جائے اور اسی کے ساتھ آنکھیں گردش کرنے لگیں کہ کون ہے جو اس آڑے وقت پر کام آئے اور ان ذمہ داریوں کو جو سلطنت و خلافت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اپنے کاندھے پر اٹھا کر اُمت اسلامیہ کو اس بدکردار خلیفہ کے ہاتھ سے چھٹکارا دے۔

اسی کے ساتھ یہ خبریں بھی مشہور ہوئیں کہ حسین بن علیؑ نے یزید کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ اسی لئے مدینہ سے مہاجرت کر کے مکۂ معظمہ آ گئے ہیں اور یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو یزید کی بیعت نہ کریں گے

اسوقت شیعوں کی اُس جماعت کو جو بیس برس کی طویل مدت تک طرح طرح کے صبر آزما مظالم برداشت کرتے کرتے عاجز آ چکی تھی اور ہر وقت وہر آن حضرت احدیت کی جانب سے کشائش و نصرت کی منتظر تھی اپنی مایوسیوں کی مدت سے چھائی ہوئی تاریک گھٹا میں امید کی شعاعیں نظر آنے لگیں اور اُن کے ضمیر نے آواز دی کہ اس موقع سے بہتر کوئی موقع نہ ملیگا اور اسوقت کا سکوت اپنے ہاتھ سے اپنی خودکشی کا مرادف ہوگا۔

یہ سوچ کر سلیمان بن صرد صحابی رسولؐ کے گھر میں مجتمع ہوئے۔ سن رسیدہ اور تجربہ کار سلیمان نے جو رسالتمآبؐ کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہ چکے تھے مجمع کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔ ان معاوية هلك وان حسينا قد تقبض على القوم ببيعته وقد خرج الى مكة وانتم شيعته وشيعة ابيه فان كنتم تعلمون انكم ناصروه ومجاهدوا عدوه فاكتبوا اليه وان خفتم الوهل والفشل فلا تغروا الرجل من نفسه

"معاویہ کا انتقال ہوا اور حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا ہے اور وہ مکہ معظمہ چلے گئے ہیں آپ لوگ ان کے اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں اگر آپ اس بات کا

یقین رکھتے ہوں کہ انکی نصرت و مدد میں اور اُن کے دشمنوں سے جنگ میں کوتاہی نہ ہوگی تو بسم اللہ انکو خط لکھے اور اگر سستی و کمزوری کا خوف ہو تو برائے خدا ایک شخص کو فریب دیکر اسکی جان کو خطرہ میں نہ ڈالے ۔"

الفاظ سے ظاہر ہے کہ سلیمان ایک مقرر کے فرض کو ادا کرتے ہوئے گرجتے برستے الفاظ سے وقتی جوش کو برانگیختہ اور الفاظ کی طاقت سے رگوں میں خون دوڑا کر اپنے مقصد کو حاصل نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ مجمع سے خود ان کے موجودہ جوش و ولولہ کی آخری تھاہ اور موقع اقدام عمل پر اسکی انتہائی کارفرمائی کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور یہی کرنا تھا انکو موقع کی نزاکت اور آئندہ کے خطرات کا اندازہ کرا دینا مقصود ہے۔ یہ امر فطری ہے کہ جذبات کی برانگیختگی کے موقع پر انسان کو اپنی طاقت کا اندازہ مشکل سے ہوتا ہے اور وہ عواقب کی فکر اور سخت مواقع پر اپنے ثبات قدم و استقلال کی تشخیص میں غلطی کر جاتا ہے۔ مجمع کے اندر ان کے بڑھتے ہوئے جوش میں سلیمان کے الفاظ نے وہ کام کیا جو پانی کا چھینٹا اٹھتے ہوئے آگ کے شعلوں میں۔ ایک مرتبہ سب بول اٹھے کہ نہیں نہیں ہم یقیناً اُن کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور اپنی جانیں حضرت کے قدموں پر نثار کرینگے۔

یہ جمعیت کتنی تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی میدان یا عالی شان قصر امارت کے وسیع صحن کی رہین منت نہ تھی بلکہ وہ عربی ساخت کے مختصر مکانات میں سے جنکے نمونے آجتک عربستان میں نظر آجاتے ہیں ایک مکان یعنی سلیمان

بن صرد کے گھر میں مجتمع ہو گئی تھی۔

مذکورہ بالا سوال و جواب اور اُسکے الفاظ میں بیشک صداقت کا جوہر نظر آرہا ہے اور وہ بولنے والوں کے باطنی ضمائر کی ترجمانی کر رہے ہیں لیکن وہ آئندہ ہونیوالے ناگہانی انقلابات کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اس کا فیصلہ مستقبل ہی کے ہاتھ ہے۔ سلیمان بن صرد کی حجت تمام ہو چکی تھی خط امام حسینؑ کے نام بدیں عنوان لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لحسین بن علی من سلیمان بن صرد و المسیب بن نجبۃ و رفاعۃ بن شداد و حبیب بن مظاھر و شیعتہ من المومنین و المسلمین من اھل الکوفہ

اسکے بعد معاویہ کے انتقال پر اظہار مسرت کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ :۔

انہ لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الحق و النعمان بن بشیر فی قصر الامارۃ لسنا نجمع معہ فی جمعۃ و لا نخرج معہ الی عید و لو قد بلغنا انک قد اقبلت الینا اخرجناہ حتی نلحقہ بالشام ان شاء اللہ والسلام و رحمۃ اللہ۔

"ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہے لہذا آپ تشریف لائیے۔ شاید آپکی وجہ سے ہم حق کی نصرت پر ہم آہنگ ہو سکیں اور نعمان بن بشیر دار الامارہ میں موجود ہے ہم اُسکے ساتھ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے اور نہ عیدگاہ جاتے ہیں۔ اگر ہم کو خبر معلوم ہو جائیگی کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اُسکو یہاں سے نکال کر شام جانے پر مجبور کر دینگے انشاء اللہ"

اس خط کو عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ روانہ کیا گیا اور یہ سب سے پہلا خط ہی جو امام کو مکہ معظمہ میں دسویں ماہ رمضان کو ملا۔

جمعیت منتشر ہوئی اور اب ہر ایک نے اپنے حلقۂ اثر میں اس تحریک کو پھیلانا شروع کیا اور دو ہی دن کے عرصہ میں ۵۳ عرضداشتیں طیار ہو گئیں جو ایک و تین چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں اور یہ سب خطوط قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارجبی اور عمارۃ بن عبید سلولی کے ہاتھ روانہ کئے گئے،

اُس اضطراب اور روحانی تلاطم کے سبب سے جو یزید کی خلافت کی باعث عام طور پر پیدا تھا اور جس میں کسی مذہب و مسلک کا افتراق نہ تھا ان حضرات کی مذکورۂ بالا تجویز کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا گیا اور وہ لوگ جو شیعیت کا جذبہ نہ رکھتے تھے وہ بھی اس خیال سے نہ سہی کہ حسین تمام دنیا کو چھوڑ کر امامت کے مستحق ہیں بلکہ اس خیال سے کہ یزید ایسے شرابخوار و فاسق سے حسین بن علی ایسی کامل و لائق ہستی یقیناً مسلمانوں کے لئے بہتر ہے اس تحریک کے گرمجوشی کے ساتھ موید نظر آنے لگے جس کو دیکھکر اُن افراد کو جو حقیقۃً اِس تجویز کے محرک تھے یہ یقین پیدا ہو گیا کہ رائے عام ہمارے ساتھ ہے اور اب کامیابی ہمارے قدم سے وابستہ لیکن درحقیقت یہ فریب نظر تھا، عام خلقت کو اِس تحریک سے ہمدردی ویسی ہی تھی جیسے آندھی کے رخ پر اڑتے ہوئے پرند

اس غلط اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو پہلے خط میں لعل اللہ ان یجمعنا بک

کی نفیں بیم و رجا اور اجتماع و اتفاق کا خیال توقع کی صورت میں ظاہر کر رہی تھیں اور یا اب آخری خط پُر زور الفاظ میں لکھا جاتا ہے جو مضبوط یقین اور کامل اعتماد کا مظہر ہے۔

لحسین بن علی من شیعتہ من المومنین والمسلمین اما بعد فحی ھلا فان الناس ینتظرونک ولا رأی لھم فی غیرک فالعجل العجل والسلام علیک

تشریف لائیے جلد اسلئے کہ لوگ آپکے منتظر ہیں اور آپکے سوا کسی کی امامت تسلیم کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہیں لہذا جلدی کیجئے جلدی والسلام۔

اس خط کو ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ذریعہ روانہ کیا گیا تھا"

ابتک جو کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ اجتماعی کہی جا سکتی ہیں اسلئے کہ اُن میں جماعت شیعہ اور اُس کے ذمہ دار نمائندے پیش پیش نظر آ رہے ہیں اور وہ کارروائیاں اس خط پر ختم ہو گئیں جو اپنے مضمون کے اعتبار سے بھی بالکل آخری کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اسکے بعد ایک خط کوفہ سے جاتا ہوا نظر آتا ہے امام حسینؑ کے نام جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"اما بعد فقد اخضر الجناب واینعت الاثمار وطمت الاجام فاذا شئت فاقدم علی جند لک مجند والسلام علیک

"کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور میوے درختوں میں رسیدہ ہیں اور تالاب بھر پور ہیں بس جب آپ چاہیں تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کے جانب جو آپ کیلئے آراستہ موجود ہے والسلام"

اس پر سات آدمیوں کے دستخط ہیں شبث بن ربعی۔ حجار بن ابجر یزید بن حارث۔ یزید بن رویم۔ عروہ بن قیس۔ عمرو بن الحجاج زبیدی۔ محمد بن عمیر تیمی (ان واقعات کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج ۶ ص ۱۹۷)

ذرا پہلے خطوط اور اس خط میں عنوان کی حیثیت سے موازنہ کرو۔ ان خطوط میں سے ہر خط میں برابر اپنے تشیع و ایمان کا حوالہ ہے، معاویہ و آل معاویہ کے غصب خلافت کا تذکرہ ہے حسینؑ بن علیؑ کے استحقاق امامت کا اعتراف ہے لیکن اس خط میں یہ کچھ بھی نہیں۔

اسکے علاوہ یہ سات آدمی اگر اسی جمعیت کے رکن تھے جو امام حسینؑ کو دعوت دینے کی بانی تھی تو ان اجتماعی خطوط میں ان کا کہیں نام کیوں نظر نہیں آتا باوجودیکہ یہ لوگ کوئی گمنام اشخاص نہیں بلکہ رؤسائے عشائر اور شیوخ قبائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ناممکن تھا کہ سلیمان بن صرد اور مسیب بن نجبہ اور رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر ایسے محراب عبادت میں زندگی گذارنے والے بے اہم درجے کے اشخاص کا تو اس میں نام ہو اور یہ لوگ نظر انداز کر دیئے جائیں۔ پھر جبکہ وہ کمیٹی ایک آخری کارروائی کر چکی تھی جس میں پر زور الفاظ میں تعجیل کی درخواست

تھی تو اب ان اشخاص کو اس انفرادی مکتوب لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور پھر میری قوت شامہ کو تو اس خط کے طرز تحریر اور اسکے الفاظ سے بھی کوئی خلوص و محبت کی بو محسوس نہیں ہوتی بلکہ برعکس اسکے مجھ کو اسکے اندر استہزاء و تمسخر کا جوہر کارفرما نظر آرہا ہے۔

آخر حسین کو لہلہاتی کھیتیوں سے کیا کام اور رسیدہ میووں سے کیا غرض اور لبریز تالابوں سے کیا مطلب؟ پھر اس میں امام حسینؑ کی تشریف آوری کی خواہش کا بھی پتہ نہیں ہے بلکہ آنے کو آپ کی مشیت پر محول کر کے ایک خبر رسانی کی سی صورت ہے کہ یہاں یہ طیاریاں ہو گئی ہیں جب آپ کا دل چاہے تشریف لائیے۔

ان وجوہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان اشخاص کو اس جماعت سے کہ جو شیعہ کہی جا سکتی تھی کوئی تعلق نہ تھا بلکہ یا تو جب دیکھا کہ خطوط اس قدر جا چکے ہیں کہ امام حسینؑ ضرور ہی اُن کے مطالبہ کو پورا کر کے تشریف آوری عراق کا ارادہ کریں گے اور موجودہ صورتِ حال کی بنا پر اُن کو کامیابی بھی حاصل ہو گی تو "ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں" کی مثل کے مطابق یہ چاہا کہ ہم بھی خطوط لکھنے والوں میں شمار کئے جائیں اس طرح حضرت کی حکومت ہونے پر جیسے توقعات قائم ہو چکے ہیں ہم سے بدظنی نہ پیدا ہو گی اور یا اسکے اندر کوئی باطنی سازش مضمر تھی جس کی بنا پر متفقہ طور سے یہ خط لکھا گیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اُن خطوط لکھنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے
نام سے گئے ہیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعۂ کربلا میں امام حسینؑ کے مقابلہ
میں پائی نہیں جاتی بلکہ اُن میں سے حبیب بن مظاہر نے کربلا میں امام حسینؑ کے پہلو بہ قدم
پر جانبازی کے ساتھ دم توڑ کر ہمیشہ کیلئے سرخروئی حاصل کی اور اُن شہیدوں
میں سے جو خطوط کے لیجانے والے تھے سعید بن عبداللہ حنفی نے اس طرح جان نثار کی
جس کی نظیر کسی شہید کے یہاں نظر نہیں آتی۔

ظہر کے بعد جب لڑائی نے زور پکڑا اور خونخوار دشمنوں کا لشکر امام حسینؑ کے
نزدیک پہونچ گیا اُسوقت یہ جانباز امام کے سامنے کھڑا ہوگیا اور جو تیر حسینؑ کیطرف
آتا تھا اُسکو اپنے سینہ پر روکتا تھا، آخر اتنے تیر پڑے کہ وہ جان نثار مردہ ہوکر
زمین پر گر پڑا (طبری ص۲۵۲)

اور عبدالرحمن بن عبداللہ بن کدن ارحبی روز عاشور امام حسینؑ سے اجازت
لیکر میدان قتال میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔

صبرا علی الاسیاف والاسنۃ　　صبرا علیہا الدخول الجنۃ

پھر جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے (ابصار العین ص۸۳)

اور قیس بن مسہر صیداوی نے اپنی زندگی کے آخری نفس تک جس صداقت
واستقلال کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کیا۔ اُس کا تذکرہ صفحۂ تاریخ پر زریں حروف
میں ہمیشہ ثبت رہیگا۔

اُسوقت کہ جب امام حسینؑ نے بطن الرمہ سے اہل کوفہ کے نام خط دیکر انکو روانہ کیا اور حصین بن تمیم کے ہاتھوں جو قادسیہ میں ناکہ بندی پر مقرر تھا یہ گرفتار ہوکر ابن زیاد کے پاس لائے گئے اور اُس نے حکم دیا کہ قصر دارالامارہ جاکر حسینؑ بن علیؑ کے بارے میں کلمات نازیبا استعمال کریں۔ یہ موقع تھا جسکو قیس نے بہترین موقع تبلیغ کا سمجھا اور بالائے قصر جاکر بلند آواز سے کہا۔

(یھا الناس ان ھذا الحسین بن علی خیر خلق اللہ ابن فاطمۃ بنت رسول اللہ وانا رسولہ الیکم وقد فارقتہ بالحاجر فاجیبوہ

"سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حسینؑ فرزند علیؑ و فاطمہ اسوقت خلق خدا میں سب سے افضل و بہتر ہیں اور وہ مقام حاجر تک پہونچ چکے ہیں۔ میں اُنہی کا بھیجا ہوا ہوں اب تم سب اُنکی آواز پر لبیک کہو"۔

یہ لفظیں ختم ہوئی ہی تھیں کہ ابن زیاد کے حکم سے اُنکو قصر دارالامارہ کی بالائی سطح سے نیچے گرا دیا گیا اور اُس شہید راہ خدا کی ہڈیاں سرمہ سا ہوگئیں (طبری صفحہ ۲۲۴)

ان خطوط کے لکھنے والے شیعہ تھے اور اُنکی برادت قتل حضرت سید الشہداء سے یقینی طور پر ثابت ہے۔

برخلاف اس کے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے انمیں سے پانچ شخص شبث بن ربعی اور حجار بن ابجر اور عزرہ بن قیس

اور عمرو بن حجاج زبیدی اور یزید بن حارث مسلماً واقعہ کربلا میں موجود اور قتل امام حسینؑ میں شریک تھے اور بقیہ دو کے نام اگرچہ کسی موقع پر نظر نہیں آتے لیکن قرائن کی رو سے قرین قیاس ہے کہ اُنھوں نے بھی اپنے ساتھیوں کا ساتھ دیا تھا۔

یہ وہی اشخاص ہیں جن کے متعلق کافی وضاحت کے ساتھ ثابت کردیا گیا ہے کہ نہ اُنھوں نے اپنے تئیں شیعہ لکھا تھا اور نہ واقعات کی بنا پر اُنکا جماعتِ شیعہ سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے۔

امام حسینؑ نے اہل کوفہ کے متواتر خطوط دیکھکر احتیاطی تدبیر یہ کی کہ مسلم بن عقیل کو اپنا نمایندہ بناکر ایک تحریر کے ساتھ روانہ کیا جسمیں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من حسین بن علی الی الملأ من المومنین والمسلمین اما بعد فان ھانئا وسعید اقدما علیّ بکتبکم وکانا اٰخر من قدم علیّ من رسلکم وقد فھمت کل الذی قصصتم وذکرتم ومقالۃ جلکم انہ لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الھدی والحق وقد بعثت الیکم اخی وابن عمی وثقتی من اھل بیتی وامرتہ

ان یکتب الیّ بحالکم وامرکم ورأیکم فان کتب الیّ انہ قد اجمع رأی ملأکم وذوی الفضل والحجی منکم علی مثل ماقدمت علیّ بہ رسلکم وقرأت فی کتبکم اقدم علیکم وشیکا ان شاء اللہ فلعمری ما الامام الا العامل بالکتاب والاخذ بالقسط والداین بالحق والحابس نفسہ علی ذات اللہ والسلام

ہانی اور سعید تمھارے خطوط کو لیکر پہونچے، اور یہ دونو شخص تمھارے سب سے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں، میں نے جو کچھ تم لوگوں نے لکھا تھا اُسکو غور سے پڑھا اور سمجھا، تم میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں آپ آئیے شاید خدا ہم کو آپکی بدولت حق پر مجتمع کردے اچھا تو اب میں تمھاری جانب اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے اور اپنے محل اعتماد عزیز قریب کو روانہ کرتا ہوں اور اُنھیں حکم دیدیا ہے کہ وہ مجھ کو تمھاری حالات وخیالات سے مطلع کریں، اگر انھوں نے لکھا کہ تمھاری جماعت اور اہل حل وعقد افراد نے اتفاق کرلیا ہے اُس امر پر کہ جس کو تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے تو میں عنقریب تمھاری طرف آتا ہوں اور امام کے کوئی معنی نہیں سوائے اُس شخص کے جو کتاب الٰہی پر عامل اور عدالت کا پابند اور حق کا متبع اور اپنی ذات کو خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے ہو والسلام" (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۹۸)

آخری لفظوں میں درحقیقت خط لکھنے والوں کے عقیدۂ تشیع کی لطیف عنوان سے اصلاح ہے، اُنکا تشیع حقیقۃً صرف محبت اہلبیت اور اُن کے مقابلہ میں دوسروں کو ناقابل حکومت و خلافت سمجھنے تک محدود تھا لیکن معارف صحیحہ اور عقائد حقہ جو فرقۂ شیعہ میں بحکم عقل و تعلیم اہلبیت علیہم السلام مسلّم حیثیت رکھتے ہیں وہ اُنکی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

اُن کے خطوط کے اندر یہ جملہ بیش پیش نظر آتا ہے کہ لیس علینا امام "ہمارے سروں پر کوئی امام موجود نہیں" حالانکہ اگر صحیح معرفت امام اُن کے دلوں میں موجود ہوتی تو وہ سمجھتے کہ امام کی امامت کسی فوج و لشکر اور تاج و تخت کی محتاج نہیں اور وہ اب نہیں بلکہ دس برس پیشتر سے حسینؑ بن علیؑ کے لئے محفوظ ہے، وہ اس کی محتاج نہیں ہے کہ حسینؑ اُنکی جماعت میں آکر اُنکی نصرت حاصل کریں اور اُن کے اتفاق و اتحاد سے فائدہ اُٹھائیں تب امامت کا انعقاد ہو۔

امام نے اپنے اس جملہ میں کہ ما الامام الا العامل بالکتاب الخ انکو حقیقت امر پر مطلع فرمایا ہے "کتاب الٰہی پر عامل اور عدالت کا پابند اور اپنی ذات کو ہر حرکت و سکون میں لازمی طور سے خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے" اسی تفصیل کا اجمال اور اصطلاحی مفاد "معصوم" ہے اور مطلب یہ ہوا کہ امام کے لئے کسی قہر و غلبہ کی حاجت نہیں ہے بلکہ جو بھی معصوم ہو وہ بہرحال

امام ہے۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اس خط کی عبارت سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم بن عقیل جنگ پر مامور نہ تھے اور نہ کوفہ کی تسخیر کے لئے بھیجے گئے تھے بلکہ وہ صرف ایک نمائندہ کی حیثیت رکھتے تھے تاکہ کوفہ کی رائے عام اور وہاں کے حالات و خیالات کا حضرت سید الشہداء کے متعلق اندازہ کرکے حضرت کو اُس سے مطلع کریں۔

حضرت مسلم کے ورود کوفہ کے موقع پر طبری اور دوسری مستند تاریخوں نے جو حالات قلمبند کئے ہیں اُنکی بنا پر سلیمان بن صرد خزاعی کی موجودگی کوفہ میں پائی نہیں جاتی ورنہ مسلم کو مختار بن ابو عبیدہ ثقفی کے گھر میں اُترنے کی ضرورت نہ تھی[1]

جبکہ سلیمان بن صرد اس تحریک کے روح روان اور قائد اعظم تھے اور کوفہ کی جماعت شیعہ میں سب سے زیادہ موجّہ اور با اقتدار تھے جس کی تصدیق اُن الفاظ سے ہوتی ہے جو رفاعہ بن شداد نے اُس موقع پر کہے ہیں کہ جب یہ لوگ بعد قتل امام حسینؑ انتقامی تدابیر پر غور کرنے کے لئے

---

[1] مجھ کو معلوم ہے کہ بعض کتب مقاتل میں مسلم کا ابتدائی قیام سلیمان بن صرد کے مکان پر بتلایا گیا ہے لیکن مستند تاریخی شہادتیں اسکے خلاف ہیں ۱۲

جمع ہوئے ہیں اور سیب بن نجبہ نے صورتِ حال کو پیش کرتے ہوئے کسی رئیس کے انتخاب کی تحریک کی ہے۔ اُسوقت رفاعہ نے کہا۔

ان رأیت ورأی اصحابنا ذلک ولینا ھذا الامر شیخ الشیعۃ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ ذا السابقۃ والقدم سلیمان بن صرد المحمود فی باسہ ودینہ والموثوق بحزمہ

اگر سب کی رائے ہو تو ہم اس مہم کی قیادت و سرکردگی سلیمان بن صرد کے سپرد کریں جو شیخ الشیعہ اور رسالتمآب کے صحابی اور ہم سب مقدم اور کارہائے نمایاں کے ہوئے شخص ہیں جنکی شجاعت و دیانت دونوں قابلِ تعریف و ثنا اور موقع بینی و آزمودہ کاری محل اطمینان ہے (طبری جلد ۷ صفحہ ۴۸)

اُنکی موجودگی میں مسلم بن عقیل کو اُنہی کے یہاں قیام کرنا ناگزیر تھا اور پھر مسلم کے دورانِ قیام میں اُسوقت کہ جب حالات سازگار تھے اور لوگ بیعت کے لئے ٹوٹے پڑ رہے تھے وہاں بھی سلیمان کا کہیں تذکرہ نظر نہیں آتا اور حضرت مسلم کی دعوت پر پہلا جو اجتماع ہوا اُس کے مقررین کی فہرست میں بھی سلیمان کا نام نہیں ہے حالانکہ عرب کی سابقہ و حال تہذیب کے مطابق اگر سلیمان بن صرد موقع پر موجود ہوتے تو سوائے ان کے

کسی کو سب سے پہلے زبان کھولنے کا اور کسی تقریر کرنے کا حق نہ تھا۔

اور اگر سلیمان باوجود وہاں ہونے کے کسی وجہ سے مسلم کی نصرت سے پہلوتہی کرتے تو سلیمان کی نمایاں شخصیت کو دیکھتے ہوئے تاریخ میں یہ واقعہ اہمیت کے ساتھ مندرج نظر آتا کہ سلیمان ایسے شخص نے مسلم سے بوقت ورود ہی علیحدگی اختیار کی اور اس کا نتیجہ سب سے بڑا جو ہوتا وہ یہ کہ مسلم کو اس تلخ تجربہ کے بعد اہل کوفہ کی وفاداری اور ثباتِ قدم و استقامت کے متعلق وہ خوشگوار توقعات قائم نہ ہوتے جن کے باعث وہ امام حسینؑ کو لکھتے کہ آپ ضرور یہاں تشریف لائیے۔

حضرت مسلم نے مختار بن ابو عبیدہ کے مکان پر قیام کیا اور جن جن اشخاص کو اطلاع ہوتی گئی وہ مسلم کے پاس شرف زیارت حاصل کرنے کے لئے آتے گئے۔ جب کافی مجمع ہوگیا تو مسلم نے امام کا خط جو جماعت شیعہ کے نام تھا پڑھ کر سنایا جس سے مجمع میں کافی جوش کے آثار ظاہر ہوئے اور عابس بن ابی شبیب شاکری نے کھڑے ہو کر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد اپنے ذاتی خیال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

انی لا اخبرك عن الناس ولا اعلم مافی انفسهم وما اغرك منهم واللہ احدثك عما انا موطن نفسی علیه واللہ لاجیبنکم اذا دعوتم ولا قاتلن معکم عدوکم ولا ضربن بسیفی

"ونکم حتی القی اللہ الا ارید بذلک الا ما عند اللہ۔"

"مجھ کو عام لوگوں کے متعلق کسی اظہار خیال کا حق نہیں اور نہ مجھے معلوم ہے کہ اُن کے دلوں میں کیا ہے اور نہ میں اُنکی طرف سے وکالت کرکے آپ کو فریب میں ڈالنا چاہتا ہوں لیکن میں وہ ظاہر کرتا ہوں جس کو میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا ہے۔ خدا کی قسم جس وقت بھی آپ دعوت دیں گے لبیک کہتا ہوا حاضر ہونگا اور آپکے ہمراہ دشمنوں سے جنگ کرونگا اور آپ کے سامنے شمشیر زنی کرونگا یہاں تک کہ اس زندگی کو ختم کرکے اپنے خدا سے ملاقات کروں اور میرا مقصد اس سے سوائے جزاء اخروی کے کچھ نہ ہوگا۔"

یہ تقریر ختم ہوا تھی کہ حبیب بن مظاہر کھڑے ہوگئے "مرحبا جزاک اللہ کتنی مختصر لفظوں میں تم نے اپنے ذاتی خیالات کو واضح کردیا۔"

پھر حضرت مسلم کی طرف خطاب کرکے "خدا کی قسم میرا بھی ذاتی خیال وہی ہے جو عابس بن ابی شبیب نے اپنی لفظوں میں ادا کیا۔"

ایسی ہی لفظوں میں سعید بن عبداللہ حنفی نے تائید کی اور مجمع متفرق ہوا۔

خط کے مضمون کی بناء پر اس کارروائی کا مقصد واضح ہے یعنی یہ عہد و پیمان اس امر کے متعلق نہ تھا کہ مسلم کوئی جارحانہ اقدام کرنا چاہتے ہیں اور اس میں یہ لوگ مسلم کی معاونت کریں گے اور نہ اس وقت یہ وہم و خیال

کسی دل و دماغ میں گردش کر رہا تھا کہ چند ہی روز میں تن تنہا مسلم کے مقابلہ پر فوج کتنی ہوگی اور اس لئے اس تمام جماعت کو تیار رہنا چاہئے بلکہ یہ عہد و پیمان صرف امام حسینؑ کی تشریف آوری کی پیش نہاد اور اوس موقع کے لئے ان لوگوں کے عزائم و نیات کے اندازہ کے لئے تھا۔

مسلم بن عقیل کے ورود کی خبر کوفہ میں عام طور پر مشہور ہوگئی اور اوس فضا کے لحاظ سے جو اس تحریک یعنی امام حسینؑ کو دعوت کے متعلق ابتدا ہی سے کوفہ میں پیدا ہوگئی تھی اور جس کے اسباب بصراحت کیساتھ درج کئے جاچکے ہیں ہر شخص نے اس خبر کا مسرت کے ساتھ استقبال کیا۔

بقول شخصے خلقت بھیڑیا دھسان ہوتی ہے۔ جدھر ایک چلا اُدھر سب۔ یزید کی خلافت سے بسبب اُسکی سیاہ کاریوں کے بیزاری ایک طرف، حسینؑ بن علیؑ کی ہر دلعزیزی نہ مذہبی نقطۂ نظر سے بلکہ اپنے اخلاق و کمالات کے لحاظ سے دوسری جانب، وہ لوگ کہ جو مسلم بن عقیل کی تحریک کے مبلغ و داعی تھے اُنکی ذاتی وجاہت و تعلقات تیسری جانب اور کل جدید لذیذ کے طبیعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں جو لذت یا جذب ہوتا ہے وہ چوتھی جانب۔ ان تمام باتوں کا ملکر یہ نتیجہ تھا کہ حضرت مسلم کے ہاتھ پر ایک ہفتہ کے اندر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کی۔

لیکن کیا سب شیعہ تھے؟ کیا کوفہ میں زیاد و آل زیاد کی بیس سال

حکومت کے بعد جس میں کھنچی ہوئی تلواریں اور جلادوں کے ہاتھ برابر اپنی سفاکی میں مشغول رہے اور دست و پا سر و زباں کے قطع و برید کا سلسلہ برابر جاری رہا کوفہ میں بیس ہزار کی اتنی تعداد میں شیعہ موجود ہو سکتے تھے؟ اور جب یہ نہیں تو کیا مذکورہ بالا سطحی عارضی اسباب سے جو رائے عام ہموار ہوئی ہو اُس میں کوئی وزن یا ثبات و استقرار ہو سکتا ہے؟

بیشک جب اُس تحریک کے ابتدائی محرک اشخاص کو رائے عام کی نوعیت سمجھنے میں غلطی ہوئی حالانکہ وہ یہیں کے رہے سہے پروردہ اور تجربہ یافتہ تھے تو مسلم بن عقیل کو کہ جنھیں اس شہر کے حالات کا تجربہ بھی حاصل نہ تھا صورت حال کی تشخیص میں دھوکا ہونا قابل تعجب نہیں ہے۔

مسلم کی تحریک کو چلانے والے۔ اُنکی صدا پر سب پہلے لبیک کہنے والے اور سب سے پہلے اجتماع میں جانبازی کا اقرار کرنیوالے اور رائے عام کو ہموار کر کے مسلم کی نصرت و بیعت پر آمادہ کرنیوالے بیشک سب شیعہ تھے اور اُن کا کام یہی تھا کہ وہ رائے عام کو مسلم بن عقیل کے موافق بنا دیں جسمیں اُنکو خاطر خواہ کامیابی ہوئی لیکن آیندہ کے انقلابات کوئی دوسری صورت پیدا نہ کرینگے اسکی ذمہ داری اُنپر عائد نہیں ہو سکتی بیشک اُنھوں نے اپنے اقرار وفا اور عہد جانبازی پر بہترین طریقہ سے عمل کیا اور جو کہا تھا وہ کر دکھایا جسکے مشاہدہ کے لئے مستقبل کا انتظار کرنا چاہیے۔

مسلم بن عقیل کو حالات امید افزا نظر آرہے ہیں، امام حسینؑ کو خط بھی لکھا ہے کہ کوفہ آپکے ساتھ ہی تشریف لائیے۔ مقامی حکومت کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے اُن کو اپنی نسبت بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا ہے جسکی بنا پر وہ اپنی حفاظت کے لئے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں۔

کوفہ میں یہ خبر گرم ہے کہ اب بہت جلد ہی حسینؑ بن علی تشریف لانے والے ہیں اور اس وجہ سے ہر طرف ایک خاص چہل پہل نظر آتی ہے اور حلقہ حلقہ جماعت جماعت لوگ بیٹھ کر اس مسئلہ پر اظہار خیالات کرتے ہیں اور بیچینی کے ساتھ دیدہ براہ ہیں لیکن یہ کسی کو نہیں معلوم کہ کوفہ کے اندر ایک جماعت موجود ہے جو اِن تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دینے پر آمادہ ہے اور وہ اموی حکومت کے خیر خواہ دوست اور وہ لوگ ہیں کہ جنھیں حسینؑ بن علیؑ کی سلطنت کے بعد اموال خلق پر بیجا تصرفات کا حق باقی نہ رہیگا۔ اُنہی کی جانب سے مخفی کارروائی یہ ہوئی کہ یزید سے حاکم حال کو معزول کر کے ایک مدبر اور سفاک حاکم کا مطالبہ کیا اور وہاں قرعہ فال عبید اللہ بن زیاد کے نام پر نکلا، عبید اللہ کوئی اور نہیں وہ زیاد کا بیٹا اور معاویہ کا ایک معنی سے بھتیجا ہے اور یہ خاندان وہ ہے جس پر مکاری وغداری کا خاتمہ تھا۔

چنانچہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ابن زیاد نے اپنی نقل و حرکت کو بالکل صیغۂ راز میں رکھا تاکہ اُس کا ورود کوفہ میں اچانک حیثیت سے ہو اور

پھر راستہ میں جب کہ کوفہ نزدیک رہ گیا اُس نے اپنی وضع میں تغیر پیدا کر کے ایک سیاہ عمامہ سر پر باندھا اور چہرہ پر اسی طریقہ سے جو عرب قوم کے بہادروں میں سخت موقعوں پر مرسوم ہے ایک ڈھاٹا باندھ لیا جسکی بنا پر شناخت نا ممکن ہو گئی ایک مرتبہ شہر بناہ کوفہ کے اندر یہ نقشہ نظر آیا کہ آگے آگے عربی گھوڑے پر ایک رئیس قوم پورے وقار و تمکنت کے ساتھ سیاہ عمامہ سر پر باندھے جو اشراف عرب کا امتیازی نشان تھا اور اُس کے پیچھے ایک شاندار قافلہ زین و لجام، ساز و سامان سے آراستہ اس حشم و خدم کو دیکھکر اُن توقعات کی بنا پر جو قائم تھے وہی ہونا چاہیے تھا جو ہوا یعنی ہر شخص یہی سمجھا کہ حسینؑ بن علی تشریف لائے ہیں اور اس قائم شدہ اثر کی بنا پر جو دلوں میں تھا جس جماعت کی طرف سے عبیداللہ کا گذر ہوتا تھا وہ بنظر تعظیم کھڑے ہو کر آداب بجا لاتی تھی اور "خوش آمدید" کے معنوں میں یہ الفاظ زبان پر جاری ہوتے تھے کہ مرحبا بک یا ابن رسول اللہ قدمت خیر مقدم۔

ابن زیاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا تھا بلکہ آوازوں کو سنتا، چہروں کو بغور دیکھتا، شکل و شمائل کو پہچانتا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ مجمع زیادہ ہو گیا اور لوگ اشتیاق میں گھروں سے نکل آئے اور ہر شخص بخیال خود فرزند رسولؐ کی زیارت کی تمنا میں آگے بڑھنے لگا اور نوبت یہ پہونچی کہ راہ چلنے

میں رُکاوٹ پیدا ہوئی اُس وقت مسلم بن عمرو باہلی نے جو ابن زیاد کیساتھ تھا پکار کر کہا :۔

تاخروا ھذا الامیر عبید اللہ بن زیاد " راستہ چھوڑ دو یہ حسینؑ نہیں امیر عبید اللہ بن زیاد ہیں "

نہ معلوم اِن الفاظ میں کونسا اثر تھا کہ بڑھتے ہوئے قدم اور اُٹھے ہوئے ہاتھ اور مسرت آمیز ترانے سب موقوف ہو گئے اور سناٹا سا چھا گیا۔ مجمع بھی منتشر ہوا اور جس وقت ابن زیاد دار الامارہ میں پہونچا ہے تو دس آدمیوں سے زیادہ اُسکے ساتھ نہ تھے (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۰ و ۲۰۱)

اب ذرا فطری رجحانات پر غور کرتے ہوئے اہل کوفہ کے موجودہ باطنی اضطرابات کا اندازہ کرو، ایک تو اچانک حادثہ جو غیر متوقع صورت سے ظہور پذیر ہو وہ خود سنسنی پیدا کر دیا کرتا ہے، اُس پر یہ صورتِ حال کہ اُنھوں نے اپنے ہاتھوں اپنے خلاف جاسوسی کے فرض کو ادا کیا یعنی اپنے باطنی خیالات و جذبات اور حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ خلوص و عقیدت کو خود ابن زیاد کے سامنے بوقت درود پیش کر دیا، اور ابن زیاد نے صاف ایک ایک کے چہرہ اور آواز کو پہچان رکھا ہے اور ابن زیاد وہ ہے کہ جس کی اور جس کے باپ کی تلوار کے نیچے بیس برس تک اس تمام خلقت کی گردنیں اس طرح خم رہی ہیں کہ جس کو چاہا گرفتار کیا سولی پر لٹکا دیا یا جلاد کے ہاتھ

سے اُس کی رگ گردن کو قطع کرا دیا اور ایسے ہیبت ناک مناظر انھی ہاتھوں سے آنکھوں کے سامنے آچکے ہیں جنکو سوچ کر ابتک رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ہلجاتے ہونگے اور اب وہی صورتیں اپنے اور اپنی اولاد اور اعزا و اقارب کے لیے پیش نظر ہیں، کیا یہ وجوہ ایسے نہ تھے جن کی بناء پر دل و دماغ معطل، قوائے عمل سلب اور طاقتیں مضمحل اور ہمتیں پست ہو جاتیں اور دلوں پر عظیم خوف و ہراس کا غلبہ ہو جاتا۔

عربستان میں ابتک یہ طریقہ موجود ہے اور مجھ کو نہیں معلوم دوسرے ممالک میں بھی اسکی نظیر پائی جاتی ہے یا نہیں کہ بڑے شہروں میں ہر محلہ کا ایک مختار محلہ ہوتا ہے جو اُس محلہ کی مردم شماری، وارد و صادر، زائیدہ و مردہ شادی شدہ و غیر شادی شدہ وغیرہ امور کے تشریحات کا منافی حکومت کی طرف سے ذمہ دار ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص اُس محلہ سے کسی جرم کا مرتکب ہو یا کہیں مفرور ہو اُسکی جواب دہی و سُراغرسانی کی ضمانت بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔

ابن زیاد نے مسجد جامع میں ایک تہدیدی تقریر کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ کہ تمام محلات کوفہ کے ذمہ دار اشخاص کو جن سے عرافت یعنی مختاری محلہ کا منصب تعلق رکھتا تھا بلا کر یہ فرمان جاری کیا کہ جلد سے جلد ہر محلہ کی مردم شماری اور جو لوگ نو وارد ہیں اُنکی فہرست درج کر لوگوں کے

حکومت شام کو خطرہ ہے اُن کے نام ادارۂ حکومت محلیہ میں پیش کر دیئے جائیں
اور اگر وہ کسی وجہ سے اُن ناموں کے تفصیل وار لکھنے سے معذور رہیں تو
ضمانت داخل کریں کہ اُن کے محلے میں سے کوئی متنفس بھی حاکم شام کی مخالفت
پر آمادہ نہ ہوگا اور اسکے خلاف ظاہر ہوا تو اس مختار محلہ کو خود اسکے گھر
کے دروازہ پر سولی دی جائے گی اور اُس کے خاندان سے ہمیشہ کے لئے
اس منصب کو علیحدہ کر لیا جائے گا (طبری ع۲۰۱)

یہ مضبوط تدبیر ایسی نہ تھی جس کی کامیابی مشتبہ ہو۔ کوفہ کا چپہ چپہ
جواسیس و مخبرین کی کثرت سے غیر محفوظ نظر آنے لگا اور مارشل لا کے
ایسے سخت قانون میں وہ تنبیہی طاقت نہیں جو اس صورت سے پیدا ہوئی
اسلئے کہ اب ہر شخص خاص اپنے محلہ میں ایک گھر سے دوسرے گھر جاتے ڈرتا
جھجکتا اور اپنی جان کے خطرہ کا احساس کرتا تھا اور اس طرح دس بیس
پانچ آدمیوں کا بھی ایک جگہ جمع ہو کر کسی امر پر گفتگو کرنا اور کوئی قرارداد
طے کرنا ناممکن ہو گیا۔

اس صورت حال کے بعد کوفہ کی رائے عام کا منقلب ہو جانا کوئی عجیب
امر نہ تھا جبکہ اس اٹھارہ ہزار کی جمعیت میں جنھوں نے بیعت کی تھی سب کے
اندر کوئی مذہبی روح بھی کارفرما نہ تھی جو ان کو سخت موقع کے لئے اپنی
جان کو خطرات میں ڈالنے پر استقلال سے آمادہ رکھتی بلکہ اُس جم غفیر کے

اتفاق و اجتماع کی نوعیت وہی تھی جس کے اسباب کو کچھ ہی پہلے ہدیۂ ناظرین کیا جا چکا ہے۔

یہ پہلا وقت تھا کہ مسلم بن عقیل کو اپنی جان کے خطرہ کا اندازہ اور مقصد کی پامالی کا احساس ہوا، اب انکا صرف ایک فرض رہ گیا تھا کہ وہ حفاظت خود اختیاری کے اصول پر جہاں تک مقدور ہو اپنے تحفظ کے لئے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں اسکے لئے انہیں مختار بن ابو عبیدہ کا مکان جس میں وہ اب تک مقیم تھے غیر محفوظ نظر آیا اس لئے کہ انکا قیام وہاں مشتہر ہو چکا تھا اور پھر اگر کوئی وقت آسکے تو وہاں انکی حمایت کرنیوالا بھی کوئی نہ ہوتا۔ مختار بن ابو عبیدہ شریف قوم سہی لیکن صرف ایک زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے کسی بڑے قبیلہ کے سردار نہ تھے اور پھر وہ خود آنے والے واقعات سے بےخبری کی حالت میں چند روز سے اپنے موضع پر گئے ہوئے تھے (طبری جلد، صفحہ ۵۰)

لہذا مسلم نے اپنے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہ دیکھی کہ وہ غیر معلوم طریقہ پر ہانی بن عروہ کے گھر میں منتقل ہو جائیں اور ہانی کی تائید حاصل کر لینا مسلم کے لئے کوئی معمولی امر نہ تھا اس لئے کہ یہ قبیلہ مراد و مذحج کے سردار تھے اور جب نکلتے تھے تو بارہ ہزار آہن پوش سوار ہمراہ رکاب چلتے نظر آتے تھے۔

مسلم نے ہانی کے گھر میں پناہ لے کر ظاہری اسباب کی بنا پر اپنے تئیں بارہ ہزار شمشیر زن بہادروں کی آغوش میں ڈالدیا ہے کہ جو اُن کے حفظ جان و آبرو کی بہترین ضمانت ہو سکتی ہے۔

ہانی نے مسلم کو مخفی طور پر اپنے یہاں رکھا اور سوائے مخصوص افراد کے جو محل اعتماد تھے کسی کو اس راز کی اطلاع نہ تھی۔ افراد شیعہ کو جو اس تحریک کے بانی تھے اپنی ناکامیابی کا بھیانک منظر سامنے نظر آگیا تھا لیکن وہ مستقل مزاجی کے ساتھ ایسے تدابیر میں مصروف تھے جن سے صورت حال کی اصلاح ہو سکے چنانچہ مسلم بن عوسجہ اسدی حضرت مسلم کے معتمد خاص اور وکیل عام تھے کہ وہ آپ کی جانب سے مخفی طور پر لوگوں کی ہمدردی حاصل کریں اور اُن سے امام حسینؑ کی بیعت لیں اور ابو ثمامہ صائدی امانت دار یا خزانچی کی حیثیت رکھتے تھے کہ جو کچھ اموال جمع ہوں اُن کو اپنی تحویل میں رکھکر اپنی صوابدید سے سلاح جنگ وغیرہ خرید کریں۔

معقل نے جو ابن زیاد کا غلام تھا ایک شیطانی مکر و تزویر کیا تھا اظہار تشیع کر کے مسلم بن عوسجہ سے حضرت مسلم کے جائے قیام کا پتہ لگایا اور ابن زیاد کے پاس سراغ رسانی کی جسکی بنا پر ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے پاس ملاقات کا پیغام بھیجا۔

ہانی کو اُن تحفظات پر جو اُنھوں نے مسلم بن عقیل کے خفا میں کر لیے تھے کامل اعتماد تھا اور اسی غرور کا نتیجہ تھا کہ ابن زیاد کے دعوتی پیغام پر اُن کے دل میں کسی قسم کا خطرہ نہ گذرا اور نہ اُنھوں نے اس موقع پر اپنے بارہ ہزار جوانان میں سے کسی ایک کو بھی واقعہ سے اطلاع دینے کی ضرورت محسوس کی بلکہ خود تن تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے، راز منکشف تھا اور واقعہ سے انکار بے سود اور اقرار کے بعد اپنے مہمان کو حوالہ کر دینے سے انکار مشتعل کن، آخر بوڑھے لیکن بات کے پکے ہانی کا سر و چہرہ خون میں رنگین نظر آیا اور ابن زیاد کے حکم سے وہ قید خانہ بھیج دیئے گئے

سردار بنی زبیدہ عمرو بن الحجاج ہانی بن عروہ کا برادر نسبتی تھا اُسے اطلاع ہوئی کہ ہانی قتل کر ڈالے گئے تو وہ مذحج کے بہت سے زرہ پوش سوار لیکر دار الامارہ پر چڑھ دوڑا اور تلواروں کی جھنکار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نے ہانی کے دل میں رہائی کے توقعات پیدا کر دیے۔

لیکن افسوس کہ شریح قاضی کی فہمائش اور اس کہنے سے کہ ہانی قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ بعض مصالح سے ایک محدود زمانہ تک نظر بند کر دیئے گئے ہیں وہ سب مطمئن ہو کر واپس گئے۔

حضرت مسلم کے لئے یہ موقع بہت سخت تھا، اُنکا پناہ دینے والا وفادار اور مستقل مزاج بہادر ہانی بن عروہ اُن کی وجہ سے زدوکوب

کی توہین آمیز تکلیف برداشت کر کے دشمن کے قید خانہ میں ہے اور مسلم کے گرد گھر میں خاندان مراد کی عورتیں یا عشرتاہ یا ثکلاہ کہکر نالہ و شیون کر رہی ہیں۔

کیا اب بھی مسلم بن عقیل چھپے ہوئے بیٹھے رہتے یا اس خوف سے کہ یہاں میرا قیام معلوم ہو گیا ہے کسی دوسرے قابل اعتماد شخص کے یہاں جا کر مخفی ہو جاتے؟ لا واللہ! غیرت بنی ہاشم کا یہ تقاضا نہ تھا، انھوں نے یہ طے کر لیا کہ ہانی نہیں تو پھر ہم بھی نہیں۔

طبری نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ ولکن خروجہ یوم خرج علی میعاد من اصحابہ انما خرج حین قیل لہ ان ھانی بن عروۃ المرادی قد ضرب وحبس" مسلم کا جنگ کے لئے نکلنا اپنے ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا اور کوئی قرارداد اس دن کے متعلق نہ ہوئی تھی، وہ ایک مرتبہ اُس وقت کھڑے ہو گئے جب اُن کو معلوم ہوا کہ ہانی بن عروہ مرادی زد و کوب کے بعد قید کیے گئے ہیں۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۵۸)

واقعہ کی ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب یہ توقع تو کی ہی نہیں جا سکتی کہ وہ ۱۸ ہزار بیعت کرنے والے سب ایک دم میں مسلم کے گرد جمع ہو جائے اور جنگ میں اُن کے ساتھ شرکت کرتے اور پھر جبکہ کوفہ کے محلّے بھی ایک

دوسرے کے متصل نہیں بلکہ کافی فاصلہ رکھتے تھے۔ہاں یہ محلہ کہ جس میں مسلم کا قیام تھا کافی وسعت رکھتا تھا اور اُسی کے اطراف میں مسلم کے گرداگرد چار ہزار آدمی موجود تھے اور مسلم کی طرف سے جونہی "یامنصور امت" کا نعرہ بلند کیا گیا جو پہلے سے قرار داد کے مطابق اُن کا شعار یعنی امتیازی نعرۂ جنگ تھا تو اُس وقت شمار میں یہی وہ چار ہزار آدمی مسلم کے پاس جمع ہو گئے لیکن اُس محدود وقت میں جبکہ جنگ کے پہلے سے کچھ آثار نہ تھے وہ شاہی منظم فوج سے کہاں تک مقابلہ کے لئے طیاری کر سکتے ہونگے؟ اس کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ ابھی مسلم قصر دارالامارہ تک پہونچنے نہ پائے تھے کہ وہ لوگ واپس جانا شروع ہو گئے اور پہونچتے پہونچتے صرف تین سو رہ گئے لیکن ابن زیاد اس خیال سے کہ مسلم کے ساتھ کوئی بڑی جمعیت ہے قصر کے اندر قلعہ بند ہو گیا اور مسلم نے بنی مراد کی ایک جماعت کو لئے ہوئے قصر کا محاصرہ کر لیا، رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی آتے گئے یہاں تک کہ مسلم کے پاس کافی اجتماع ہو گیا اور ظہر سے شام تک برابر زد و خورد ہوتی رہی۔

موجودہ جمعیت کہ جو مسلم کے ساتھ محاصرہ میں شریک رہے

درحقیقت مختلف قبائل کے مخلوط مجموعہ کا نام ہے اور قبائل کی روح شیوخ واشراف قبائل ہیں کہ جو ہمارے سابقہ بیانات کے مطابق حکومت کے ہواخواہ اور پابند فرمان ہیں اور ابن زیاد نے بروقت پیش بندی یہ کی ہے کہ آج صبح سے شیوخ واشراف کو بلا کر اپنے پاس زیر حراست رکھ لیا ہے کہ اُن سے حسب موقع کام نکالا جاسکے۔

اب ابن زیاد نے پہلی تدبیر تو یہ کی کہ شہر کی ناکہ بندی کرادی یعنی چوراہوں اور عام رستوں پر پہرے بٹھلا دیئے کہ کوئی مسلم کی مدد کو نہ آسکے اور صورت واقعہ کے بناء پر یہ امر لازمی تھا کہ مسلم کی مدد کو آنے والے مجمع حیثیت سے کسی لشکر کے ساتھ نہ آتے بلکہ اکا دکا جسکو خبر ہوتی جاتی وہ تنہا یا اپنے بھائی بندوں کی معیت میں مسلم کے ساتھ شرکت کے لئے آتا اور وہ فوراً گرفتار ہوجاتا ہے چنانچہ عبدالاعلیٰ ابن یزید کلبی اپنے گھرانے کے کچھ نوجوانوں کو ساتھ لئے ہوئے آرہا تھا جس کو کثیر بن شہاب نے گرفتار کیا اور محلہ بنی عمارہ کی طرف سے عمارہ بن صلخب ازدی نے ہتھیار جسم پر آراستہ کرکے چاہا تھا کہ مسلم کے پاس آئیں لیکن محمد بن اشعث نے گرفتار کرلیا۔ یہ دونوں جانباز مسلم دہانی کی شہادت کے بعد ابن زیاد کے حکم سے قتل کردیئے گئے

(طبری جلد ۶ ص ۲۰۶)

اس طرح مسلم سے مختلف اطراف وجوانب کی مدد قطع ہوگئی۔ دوسری

جانب اشراف قبائل مامور ہوئے کہ وہ سطح دار الامارہ پر جاکر اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو پکار کر حکومت شام کیجانب سے تخویف وتہدید کریں اور مسلم کی شرکت سے علیحدہ ہونے پر مامور کریں چنانچہ ان لوگوں نے ہمدردانہ لہجہ میں قسمیں کھا کھا کر اپنے اپنے قبیلہ والوں کو یقین دلایا کہ عنقریب مرکزی حکومت شام کی جانب سے عظیم الشان فوجیں آنے والی ہیں جس کے بعد تمھارا جان ومال واولاد سب تلف ہو جائیگا۔

دمشق سے فوجیں آنے کی خبر ایسی نہ تھی جو اضطراب پیدا نہ کرے، اس خبر سے ایک عام دہشت پیدا ہوگئی۔ حالت یہ تھی کہ

انّ المرأة كانت تاتی ابنها واخاها فتقول انصرف الناس يكفونك ويجيئ الرجل الى ابنه واخيه فيقول غداً يأتيك اهل الشام فما تصنع بالحرب والشرّ انصرف فيذهب به۔

عورتیں اپنے باپ بھائی کے پاس آتی اور کہتی تھیں کہ چل واپس چل دوسرے لوگ کافی ہیں اور باپ یا بھائی اپنے بیٹے بھائی کے پاس آکر کہتا تھا کہ کل دمشق سے لشکر آجائے گا پھر تو کیا کرے گا۔ چل لڑائی سے کنارہ کشی کر کے اور مجبور کر کے اُسے اپنے ساتھ واپس لیجاتا تھا۔

(طبری ص۲۰۸)

نتیجہ یہ ہے کہ مسلم تنہا رہ گئے اور آخر ایک خون ریز صف آرائی کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

اب شہر میں خوف و دہشت کی کامل عملداری اور رعب و ہیبت کا پورا دورہ دورہ تھا، لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے اور اس لئے چاروں طرف سناٹا اور ہو کا عالم تھا اور ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔

انتہا یہ کہ وہی ہانی بن عروہ جن کے ہمراہ رکاب ۱۲ ہزار مسلح سوار ہوتے تھے اور جن کے قتل کی غلط خبر سننے پر دارالامارہ کھنچی ہوئی تلواروں کے حلقہ میں آگیا تھا آج شکنجے کسے ہوئے بازار میں لائے جا رہے ہیں اور وہ پکار رہے ہیں کہ وامذحجاہ ولا مذحج لی الیوم وامذحجاہ واین منی مذحج "کہاں ہیں میرے قبیلہ والے بہادر بنی مذحج، ہائے افسوس آج میرے لئے مذحج نظر نہیں آتے" لیکن کوئی ایک شخص بھی انکی طرف رُخ کرتے دکھائی نہیں دیتا یہاں تک کہ ابن زیاد کا غلام ترکی اپنی تلوار سے اُن کے سر و تن میں جدائی کر دیتا ہے۔

یہی عبرت خیز مناظر وہ ہیں جو دنیا کی ہر حقیقت کو مجاز اور واقعیت کو اعتبار قرار دینے کا تخیل پیدا کر دیتے ہیں اور جاہ و ثروت یا قوم و قبیلہ کی کثرت پر اعتماد کو غلط سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں۔

شیعیان اہلبیت اور حسینؑ بن علیؑ کے ہمدرد جو مٹھی بھر سے زیادہ

نہ تھے اس وقت عجب عالم میں تھے، اُنکو چھپنے کے لئے گوشوں کی تلاش
تھی جن کا ملنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ابن زیاد کو معلوم تھا کہ عنقریب حسینؑ
بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں اور اگرچہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں۔ لیکن انکے
آنے سے کہیں پھر انقلاب پیدا نہ ہو جائے لہذا اُس نے تلاش کر کے
جن جن اشخاص سے اندیشہ ہو سکتا تھا اُنھیں قید کرنا شروع کیا چنانچہ
مختار بن ابو عبیدہ ثقفی جو مسلم کے خروج کے موقع پر کوفہ میں موجود نہ
تھے اور اُسی دن اطلاع پاکر آئے لیکن ایسے وقت پہونچے کہ مسلم کی
جنگ ختم ہو چکی تھی اور عمر بن حریث نے رایت امان بلند کیا تھا کہ جو شخص
اسکے نیچے چلا آئے اُس کا جان و مال محفوظ ہے لیکن مختار کو امان نہ ملی
اور وہ پابزنجیر کر دیئے گئے اور اسی طرح عبداللہ بن حارث بن نوفل اور
دیگر اشخاص،

اُدھر حاکم اعلیٰ یزید نے بھی مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر معلوم ہونے
کے بعد ابن زیاد کو حسینؑ بن علیؑ کے قصد عراق پر مخصوص طور سے
توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

انہ قد بلغنی ان الحسین بن علی قد توجہ نحو العراق فضع
المناظر والمسالح واحترس علی الظن وخذ علی التہمۃ۔

"مجھ کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں

اب تم ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو اور سنگر بناؤ اور وہم و گمان بھی خطرہ کا ہو تو اُس سے تحفظ کرو اور بدگمانی جس پر ہو اُسے فوراً گرفتار کر لو (طبری ج ۶ ص ۲۱۵)

اب کیا تھا، قید و بند کا سلسلہ جاری ہو گیا اور جیلخانے قیدیوں سے چھلکنے لگے اُس سیاست کی نوعیت کا اندازہ ابن زیاد کی اُس تقریر سے جو یزید کی ہلاکت کے موقع پر اُس نے کی ہے اُس فقرہ سے ہوتا ہے۔

وما ترکت لکم ظاننۃ اخافہ علیکم الا و ھو فی سجنکم "کوئی ایسا شخص نہیں جس پر گمان بھی ہو سکتا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت کریگا مگر یہ کہ وہ قید خانہ کے اندر ہے" (طبری جلد ۷ ص ۱۶)

نیز اُس گفتگو سے جو اُس موقع پر جبکہ وہ بعد ہلاکت یزید بصرہ سے فرار ہو کر دمشق جا رہا تھا راستہ میں یساف بن شریح یشکری سے کی ہے جس میں اُس نے کہا کنت اقول لیتنی کنت اخرجت اھل السجن فضربت اعناقھم میں ابھی اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش میں نے اُن لوگوں کو جو قید خانہ میں بند تھے نکالکر گردن زدنی کا حکم دیدیا ہوتا اسلئے کہ وہی لوگ بعد میں انقلاب کا سبب ہوئے) جلد ۷ ص ۲۰

اس صورت سے حکومت کی طرف سے شہر کے داخلی حالات پر پورا قابو حاصل کر لیا گیا جس کے بعد کسی متنفس میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ مخالفت

کا نام بھی زبان پر لائے۔ اب اُس کی توجہ خارج کی طرف ہوئی کہ کہیں بصرہ و مدائن اور دیگر اطراف کے لوگ کہ جہاں شیعہ کافی تعداد میں ہیں اگر کوئی دراندازی نہ کریں۔ نیز حسینؑ بن علیؑ کہ جن کا آنا قریبی زمانہ میں یقینی ہے اُن کے ساتھ کسی ساز و باز کے لئے کوئی جماعت باہر جانے پائے۔

اس کے لئے حدود کی ناکہ بندی ہوئی اور قادسیہ میں جو حجاز و عراق و فیام کے خطوط سیر کا محل اجتماع تھا کئی ہزار سواروں کے ساتھ حصین بن تمیم کو مقرر کیا گیا جو اب تک کوتوال شہر کی حیثیت رکھتا تھا اور واقصہ سے لیکر قطقط نعلع، اور خفان اور اطراف و جوانب میں جو شام اور بصرہ کے راستے تھے اُن سب میں لشکر پھیلا دیا گیا یہاں تک کہ نہ کوئی شخص آسکتا تھا اور نہ باہر جاسکتا تھا چنانچہ قیس بن مسہر صیداوی اور عبداللہ بن یقطر جو امام حسینؑ کے فرستادہ اہل کوفہ کے نام خط لیجا رہے تھے وہ اسی قادسیہ میں پہونچکر حصین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور خود حضرت سید الشہداء جب ان حدود میں پہونچے اور صحرائی عربوں سے حالات کو دریافت کیا تو انھوں نے کہا "واللہ ما ندری غیر انا لا نستطیع ان نلج ولا نخرج خدا کی قسم ہمیں اور کچھ نہیں معلوم لیکن اتنا ہے کہ ہم نہ اندر جا سکتے ہیں اور نہ باہر نکل سکتے ہیں"۔

حر بن یزید ریاحی جو ایک ہزار کے لشکر سے امام حسینؑ کا سد راہ ہوا تھا وہ بھی اسی فوج میں سے تھا کہ جو قادسیہ میں حصین کی سرکردگی میں عرتھی

یہ سب اسی لئے تھا کہ کوئی امام حسینؑ کی مدد کیلئے کوفہ سے نہ آسکے یہانتک کہ طرماح بن عدی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ جب کوفہ سے غیر معروف راستہ سے آکر امام حسینؑ کے ساتھ ملحق ہوئے ہیں اس وقت حر نے آکر حضرت سے کہا کہ "یہ لوگ جو اہل کوفہ میں سے ہیں آپ کے ساتھ نکے نہیں آئے ہیں لہذا میں انکو گرفتار کرتا ہوں یا کوفہ واپس جانے پر مجبور ہوں لیکن حضرت کے مانع ہونے پر کہ" اب جبکہ یہ میرے پاس پہونچ گئے ہیں تو میرے ہی اصحاب و انصار میں داخل ہیں اور اب انکی حفاظت مجھ پر فرض ہے لہذا ناممکن ہے کہ میں ان کو تمھارے سپرد کر دوں" اُسکو ساکت ہونا پڑا

(طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۰)

اس موقع پر کہ جب امام حسینؑ کربلا میں پہونچ چکے تھے خود ابن زیاد نے کوفہ سے نکل کر نخیلہ میں اپنا مرکز قرار دے لیا تھا اور وہیں افواج کا معائنہ ہوتا تھا اور انھیں ترتیب دیکے کربلا روانہ کیا جاتا تھا۔

(تصدیق کے لئے دیکھو طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۱)

وہ لوگ جو ابن زیاد کی طرف سے روانہ کئے جاتے تھے اُن میں سے بعض امام حسینؑ سے جنگ کو ناپسند کرتے ہوئے لشکر سے نکلکر کوفہ واپس جاتے تھے اس کے لئے ابن زیاد نے سوید بن عبدالرحمن منقری کو کچھ سواروں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ جو ایسا شخص وہاں ملے اُس کو گرفتار کر کے روانہ

کیا جائے سوید نے ایک شخص کو اہل شام میں سے جو کوفہ کسی اپنے ذاتی معاملے کے لئے آیا تھا گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس بھیجا اور اُس نے ہیبت قائم کرنے کے لئے اُس کو قتل کرا دیا جس کے بعد وہ تمام لوگ جو بھر گئے تھے نکلکر کربلا روانہ ہو گئے۔ (الاخبار الطوال صد۲۵۲)

ان اہتمامات سے سیرچی طور پر چند نتیجے مرتب ہوتے ہیں۔

(۱) کوفہ کی جماعت شیعہ میں جو حسینؑ کی ہمدرد ہو سکتی تھی اور جنکو نصرت کا خیال ہو سکتا تھا ایک کثیر تعداد پابزنجیر کر لی گئی تھی اور اس طرح نہ معلوم کتنے باہمت اور پر جگر اشخاص ہوں گے جو اگر باہر ہوتے تو اپنی جان حسینؑ پر سے نثار کرتے لیکن اُس موقع پر وہ تاریک و تار زندان میں مقید تھے۔

(۲) حدود کی ناکہ بندی اور راستوں کے انسداد نے کوفہ کے بہت سے اشخاص کے لئے جن میں جذبۂ نصرت حسینؑ ہو سکتا تھا حضرت تک پہونچنے کو دشوار سے دشوار بنا دیا تھا اور اگر وہ آنے کا قصد کرتے بھی تو یقیناً نخیلہ میں کہ جو بالکل کوفہ کے نکڑ پر کربلا کے راستہ میں تھا گرفتار کر لئے جاتے یا آگے بڑھ کر قادسیہ اور خفان اور قطقطانہ و لعلع کی منزل پر وہ دستگیر ہو جائے۔

(۳) ابن زیاد کی طرف سے یہ اہتمام تھا کہ کوئی جنگ آزما شخص کوفہ میں ایسا باقی نہ رہ جائے جو حسینؑ کی جنگ کے لئے نہ نکلے اور اس طرح ان

کے لئے جو حسینؑ کے مقابلہ سے نفرت کرتے تھے اِس جرم سے حفاظت بھی تلف جان ومال کی ضامن بن گئی تھی۔

لیکن باوجود اِن دشواریوں کے، اِن ہمت شکن مشکلات کے، اِن طاقت ربا مصائب کے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ افرادِ شیعہ جو حسینی دعوت کے بانی ومبلغ اور اس تحریک کے داعی دمرمج تھے جنھوں نے وفاداری کا اقرار اور جانبازی کا عہد کیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح حسینؑ بن علیؑ تک پہونچ گئے اور اپنی جانیں اُن کے قدموں پر نثار کیں۔

یاد کرو وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا تھا تو کون لوگ تھے اُس وقت تقریر کرکے عہد نصرت وفداکاری کرنے والے؟ بے شک وہ تین آدمی تھے عابس بن ابی شبیب شاکری، حبیب بن مظاہر سعید بن عبداللہ حنفی۔

کون تھا مسلم بن عقیل کا وکیل ونائب اور رازداری کیساتھ حسینؑ کی بیعت لینے والا؟ یقیناً وہ مسلم بن عوسجہ اسدی تھے۔

کون تھا مسلم کے ادارہ اسلحہ کا منتظم اور جمع اموال کا موتمن ومعتمد؟ بلاشبہہ وہ صرف ابو ثمامہ صیدادی تھے۔

پھر کیا یہ وہ لوگ نہیں ہیں جنھوں نے ثبات قدم واستقلال کے ساتھ آخر نفس تک حسینؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا اور آخر اُنکی لاشیں حسینؑ کے قدموں پر

خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں۔

ان کے علاوہ بھی حسینی جماعت میں زیادہ تر کوفہ کے شیعہ تھے جیسے بریر بن خضیر حافظ قرآن مجید جن کو دیکھ کر لشکر عمر سعد میں کہا گیا تھا ان ھذا بریر بن خضیر القاری الذی کان یقرئنا القران فی المسجد

"یہ تو وہی بریر بن خضیر ہیں جو ہم کو مسجد میں بیٹھکر قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے"

(طبری جلد ۶ ص ۲۴۷)

اور انس بن حارث اسدی صحابی رسولؐ جن کا تذکرہ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں کیا ہے، ابن اثیر کا قول ہے کہ

عدادہ فی الکوفیین وکان اتی الی الحسین عند نزولہ فی کربلاء والتقی معہ لیلاً فیمن ادرکتہ السعادۃ

"ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے اور یہ امام حسینؑ کی خدمت میں پہونچے تھے اُسوقت جب آپ کربلا میں اُتر چکے تھے اور شب کے وقت حضرت کے پاس پہونچے اُن لوگوں کے ذیل میں جنکے بخت نے یاوری کی تھی۔

اور نافع بن ہلال جملی جو کوفہ کے قبیلۂ مذحج سے تھے اور حنظلہ بن اسعد شامی اور یزید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثاء کندی اور مجمع بن عبد اللہ عائذی اور عائذ بن مجمع اور عمر بن خالد صیداوی اور جنادہ بن حارث

سلمانی اور سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی اور موقع بن ثمامہ اسدی صیداوی اور سیف بن حارث بن سریع ہمدانی اور مالک بن عبداللہ بن سریع اور سوار بن منعم ہمدانی اور عمرو بن قرظہ انصاری اور نسیم بن عجلان انصاری اور عبداللہ بن بشر خثعمی اور حارث بن امرأ القیس کندی اور بشر بن عمر کندی اور عبداللہ بن عروہ و عبدالرحمن بن عروہ غفاریین اور عبداللہ بن عمیر کلبی اور سالم بن عمرو کلبی اور مسلم بن کثیر ازدی اور رافع بن عبداللہ ازدی اور قاسم بن حبیب ازدی اور زہیر بن سلیم ازدی اور نعمان بن عمرو و حلاس بن عمرو ازدیین اور مسعود بن حجاج تیمی اور بکر بن حی تیمی اور جوین بن مالک تیمی اور عمر بن ضبیعہ تیمی اور حباب بن عامر تیمی اور اُمیّہ بن سعد طائی اور ضرغام بن مالک تغلبی اور کنانہ بن عتیق تغلبی اور قاسط بن زہیر و کردوس بن زہیر و مقسط بن زہیر تغلبیین اور جبلہ بن علی شیبانی وغیرہ

یہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر عہد وفا کو پورا کرنے کے لئے اپنے تئیں کسی نہ کسی طرح حسینؑ کے قدموں تک پہنچا دیا لیکن جو لوگ شیعی جماعت میں سے حسینؑ بن علیؑ کی نصرت کیلئے نہ پہونچے یا نہ پہونچ سکے اُن میں سے بھی کسی متنفس کا حسینؑ کے مقابلہ میں کربلا میں موجود ہونا پایا نہیں جاتا بلکہ تاریخی نصوص و شواہد متفقہ طور پر اُن کو قاتلان امام حسینؑ سے علیحدہ

بتاتے ہیں۔ امام محمد بن جریر طبری کا بیان ہے۔

لما قتل الحسین بن علی ورجع ابن زیاد من معسکرہ بالنخیلة فدخل الکوفة تلاقت الشیعة بالتلاوم والتندم ورأت انها قد اخطأت خطأ کبیرا بدعائهم الحسین الی النصرة وترکهم اجابته ومقتله الی جانبهم لم ینصروه ورأوا انه لا یغسل عارهم والاثم عنهم فی مقتله الا بقتل من قتله او القتل فیه

جب حسینؑ بن علی قتل ہو گئے اور ابن زیاد اپنے لشکر گاہ سے جو نخیلہ میں قرار دیا گیا تھا واپس جا کر کوفہ میں داخل ہوا تو شیعوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کر کے ایک دوسرے پر ملامت اور اپنی کمزوری پر ندامت کا اظہار شروع کیا اور وہ سمجھے کہ ہم سے بڑا جرم ہوا کہ ہم نے حسینؑ کو نصرت کے وعدہ پر دعوت دی پھر جب وہ آگئے تو ہم اُن کی نصرت کو نہ گئے اور وہ ہمارے پڑوس میں قتل کر ڈالے گئے اور ہم نے کچھ اُن کی مدد نہ کی اور انھوں نے دیکھا کہ یہ عار و ننگ ہم سے دور نہیں ہو سکتا۔ مگر اس طرح کہ ہم اُن لوگوں کو جو اُن کے قتل میں شریک ہوئے ہیں قتل کریں یا خود اس سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔ (طبری جلد ۷ ص۴۷)

کیا اس عبارت سے صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتا کہ شیعہ جماعت

قاتلان امام حسینؑ کی جماعت سے جداگانہ تھی اور پہلی جماعت پر جو الزام ہے وہ یہ کہ انھوں نے مدد نہیں کی اور دوسری جماعت وہ ہے جسکے قتل کو وہ اپنے جرم کا کفارہ سمجھتے ہیں۔

پھر سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر اجتماع ہوا اور اس موقع پر مسیب بن نجبہ نے جو تقریر کی ہے وہ یہ ہے کہ "ہم بہت اپنی صداقت پر ناز رکھتے تھے اور اپنی جماعت شیعہ کی مدح و ثنا کیا کرتے تھے لیکن خدا نے ہمارا امتحان لیا اُسوقت معلوم ہوا کہ ہمارے دعوے غلط ہیں، ہم نے حسینؑ کو دعوت دی، اُن کے پاس پیغام بھیجے کہ آئیے ہم مدد کرینگے لیکن جب وہ آئے تو ہم نے اپنی جانوں کو چھپایا یہاں تک کہ وہ ہمارے پڑوس میں قتل ہو گئے۔ نہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے اُنکی نصرت کی اور نہ اپنی زبان سے اُن کی حمایت کی اور نہ اموال سے ان کو تقویت پہونچائی اور نہ اپنے قبیلہ کو اُن کی نصرت پر آمادہ کیا۔ اب خدا و رسولؐ کو کیا جواب دینگے جبکہ ہمارے ملک میں فرزند رسولؐ قتل کر ڈالا گیا۔ بیشک ہمارا کوئی عذر سننے کے قابل نہیں لیکن اب یہ موقع ہے کہ اُن کے قاتل کو اور جن لوگوں نے اُن کے قتل میں شرکت کی ہے اُنھیں قتل کریں یا اسی سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کریں (ص ۴۸)

یہ بھی صریحی طور پر اسکی دلیل ہے کہ قاتلان حسینؑ یا قتل حسینؑ میں شرکت

کرنے والی جماعت جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھی۔

اس کے بعد جبکہ سلیمان بن صرد اس جماعت کے قائد اعظم کی حیثیت سے منتخب ہوگئے تو انھوں نے جو تقریر کی ہے اور جس کو وہ برابر ہر جمعہ میں دہرایا کرتے تھے اُس کا مختصر اقتباس یہ ہے کہ

انا کنا نمدّ اعناقنا الی قدوم ال نبینا ونمنیھم النصرو نحثھم علی القدوم فلما قدموا ونینا وعجزنا وادھنّا وتربصنا وانتظرنا مایکون حتی قتل فینا ولد ینا ولد نبینّا وسلالتہ وعصارتہ وبضعۃ من لحمہ ودمہ اذ یستصرخ ویسأل النصف فلا یعطاہ اتخذہ الفاسقون غرضا للنبل ودریتا للرماح حتی اقصدوہ۔

ہم لوگ گردنیں اُٹھا اُٹھا کر اشتیاق کے ساتھ اہلبیت رسولؐ کی تشریف آوری کے منتظر تھے اور ان کو نصرت کی امیدیں دلاتے تھے اور آنے پر آمادہ کرتے تھے لیکن جب وہ آئے تو ہم نے کمزوری کی اور عاجز رہے اور سستی کو کام میں لائے اور منتظر رہے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے یہاں تک کہ ہمارے ملک میں اور ہمارے قریب ہی فرزند رسولؐ قتل کر دیئے گئے جبکہ وہ فریاد کر رہے تھے لیکن کوئی انصاف سے کام نہ لیتا تھا، فاسقین کی جماعت نے اُن کو اپنے تیروں کا نشانہ اور نیزوں کا سرمشق بنا لیا یہاں تک

کہ انھیں شہید کر ڈالا (ص ۴۹)

اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ کوفہ ہی میں رہ گئے تھے اور قتل حسینؑ میں شرکت کرنے والی جماعت فاسقین ان سے جداگانہ ہے۔

پھر وہ موقع کہ جب یزید ہلاک ہوا اور سلیمان بن صرد کے پاس شیعی جماعت کے بہت سے افراد نے آکر کہا کہ اسوقت حکومت کے ارکان میں تزلزل ہے یہی موقع ہے کہ ہم انتقام کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور ان کے قاتلوں کو چن چن کر قتل کریں اس وقت سلیمان نے جو تقریر کی وہ یہ ہے۔

انی قد نظرت فیما تذکرون فرأیت ان قتلة الحسین هم اشراف اهل الکوفة وفرسان العرب وهم المطالبون بدمه ومتی علموا ما تریدون وعلموا انهم المطلوبون کانوا اشد علیکم ونظرت فیمن تبعنی معکم فعلمت انهم لو خرجوا المید رکوا ثارهم ولم یشفوا انفسهم ولم ینکوا فی عدوهم وکانوا لهم جزرا ولکن بثوا دعاتکم فی المصر الخ

"میں نے اس معاملہ میں غور کیا تو یہ دیکھا کہ قاتلان حسینؑ کوفہ کے سربرآوردہ اشخاص اور شیوخ واشراف قبائل ہیں اور انھی کے اوپر حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور جب انھیں تم لوگوں کے ارادہ کی خبر ہوگی اور یہ معلوم ہوگا کہ اسکا اثر ان پر پڑیگا تو وہ سختی سے تمہاری مخالفت پر آمادہ ہوجائینگے اور میں نے اندازہ

کیا اُن لوگوں کا جو میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اتنی تعداد
میں ہیں کہ اُن کے خروج کرنے سے نہ تو انتقام لیا جا سکتا ہے اور نہ مقصد حاصل
اور نہ دشمن کو کوئی نقصان پہونچ سکتا ہے بلکہ یہ لوگ گوسفندوں کی طرح کاٹ کر
ڈال دیئے جائیں گے لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے دعاۃ و مبلغین اطراف و
اکناف میں روانہ کرکے لوگوں کو اپنی موافقت پر آمادہ کرو (طبری جلد ۵ صفحہ)
اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قتل حسینؑ کے ذمہ دار اشخاص شیوخ و اشراف
قبائل تھے جن کی مذہبی حقیقت مختصر طور پر ہم نے سابق میں واضح کر دی اور
یہ کہ جماعت شیعہ کو اُن سے کوئی تعلق نہ تھا نیز اس شیعی جماعت کی جو کوفہ میں
موجود تھی تعداد بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتی تھی
پھر وہ تقریر جو عبید اللہ بن عبد اللہ مری کی زبان سے تاریخ میں درج ہے اس میں بھی
ہے کہ فقتلہ عدوہ وخذلہ ولیہ فویل للقاتل وملامۃ للخاذل ان الله
لم یجعل لقاتلہ حجۃ ولا لخاذلہ معذرۃ الا ان یناصح الله فی التوبۃ
فیجاهد القاتلین وینابذ القاسطین۔

فرزند رسولؐ کے لئے دشمن قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے اور دوستوں نے
اُن کی مدد نہ کی بس عذاب کے مستحق ہیں اُن کے قاتل اور سرزنش کے لائق
ہیں اُن کے چھوڑ دینے والے نہ اُن کے قاتل کے لئے خدا کے یہاں کوئی حجت اور
نہ اُن کے بے مددگار چھوڑنے والوں کا کوئی عذر قابل سماعت ہے مگر یہ وہ

اب سچے دل سے توبہ کرکے اُن کے قاتلوں سے جہاد کریں اور ظالموں سے جنگ کریں
وہ وقت کہ جب یہ لوگ بعزم جہاد کوفہ سے کربلائے معلی آئے ہیں اس گروہ
پر مثنی بن مخربہ نے جو تقریر کی تھی اُس میں یہ فقرات قابل توجہ ہیں۔

قد قتلهم قوم نحن لهم اعداء ومنهم براء وقد خرجنا
من الديار والاهلين والاموال ارادة استيصال من قتلهم

حسینؑ وانصار حسینؑ کو ایک ایسی جماعت نے قتل کیا جنکے ہم دشمن ہیں اور
جن سے ہم بیزار ہیں اور اب ہم اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر اپنے گھروں سے اس
لئے نکلے ہیں کہ اُن کے قاتلوں کے رگ وریشہ کو فنا کریں (ص ۱۷۱)

ان تاریخی نصوص وشواہد سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ جماعت
شیعہ میں سے کوئی شخص بھی قتل امام حسینؑ کے لئے کربلا میں موجود نہ تھا۔
بیشک انپر جو سب سے بڑا جرم عائد ہو سکتا ہے جس کے وہ خود معترف تھے
وہ نصرت حسینؑ سے کنارہ کشی کرنا اور حضرت پر اپنی جانیں نثار کردینے میں کوتاہی
کرنا اگرچہ یہ جن اسباب وعلل اور مشکلات وموانع پر مبنی تھا اُن کو کافی تفصیل
کے ساتھ حوالہ قلم کیا جا چکا ہے پھر بھی ہم اس کو جرم تسلیم کرنے پر تیار ہیں لیکن اس
جرم سے سنگین تر نہیں کہ رسولؐ کو میدان جنگ میں دشمنوں کے نرغہ میں تنہا چھوڑ کر
اپنی جان کی حفاظت کے لئے فرار کریں اور حضرت عثمان کو خود دار الخلافہ اور مرکز
حکومت مدینہ منورہ کے اندر مصر سے آئی ہوئی فوجوں کے حلقہ کے اندر

محصور چھوڑ کر تماشا دیکھتے رہیں اور اُن کے قتل ہو جانے کے تین دن بعد تک اُنکی لاش دفن کرنے کی جرأت نہ کریں۔

یاد رہے کہ رسولؐ اکرم کے ساتھ صحابہ کرام میں سے جنگ احد میں دس آدمی بھی نہ رہے تھے اور جنگ حنین میں بارہ سے زیادہ لڑائی میں نہ ٹھہرے تھے اور یوم الدار حضرت عثمان کی مدد کے لئے اُنکی ماننے والی جماعت میں سے بیس آدمی بھی جان نثار دکھلائی نہ دیتے تھے لیکن فرزند رسول حسین بن علیؑ کے ساتھ جماعت شیعہ میں سے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر کم از کم چھپن آدمی جانیں قربان کرنے والے نکل آئے تھے۔

کیا اسکے بعد بھی غیرت کا تقاضا ہے کہ جماعت شیعہ کو حسینؑ کی نصرت میں کوتاہی کا طعنہ دیا جائے یا اس سے بڑھ کر اُن پر قتل حسینؑ کا غلط اور بے بنیاد الزام لگایا جائے۔ والسلام

لکھنؤ

علی نقی النقوی عفی عنہ
محرم ۱۳۸۱ھ

ضمیمہ

قاتلانِ حسینؑ کی روپوشی کے بہانے

یا

قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ کہنے والوں کے دلائل

خیالات کا اختلاف اگر سچائی اور حقیقت پروری پر مبنی ہو تو انکا ایک نقطۂ اتحاد پر مجتمع ہو جانا کوئی دشوار نہیں، با اصول اور آئینی بحث و تحقیق اور دل نشین ادلہ و براہین کی مقناطیسی کشش یقیناً انصاف کی شرط کیا تھ مختلف آراء و افکار کو ایک صحیح مرکز پر لا سکتی ہے لیکن جب خیالات جذبات کے ماتحت اور اقوال سخن پروری و تعصب نفسانی کے پابند ہوں تو ان کی شکست کبھی شکست نہیں قرار پاتی، باطل شکن دلائل کی ہزار زد دن پڑنے کے بعد انکی تیوریوں پر بل نہیں آتے گویا گرہ تھی کہ جو جم گئی ۔ مرغ کی ایک ٹانگ کے بجائے دو ٹانگیں ہو جائیں ناممکن ہے ۔ اس قسم کے خیالات

کی پہچان یہ ہے۔

(۱) اکثر دلائل میں مصادرہ علی المطلوب کی جھلک نمایاں ہو یعنی الٹ پھیر کر کے خود دعوے کو دلیل میں پیش کر دیا جاتا ہو۔

(۲) کہی ہوئی باتوں کو جن کا جواب ہو چکا ہے الفاظ کو اول بدل کر پھر پیش کر دیا جائے تاکہ گفتگو کا سلسلہ قطع نہ ہو اور عوام کی نظروں میں اپنی کم مایگی و تہیدستی کا مظاہرہ نہ ہونے پائے۔

(۳) سلسلہ بحث میں خواہ مخواہ خارج از بحث باتوں کو چھیڑ کر عام افراد کے دماغوں کو الجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ اصلی نقطہ بحث کے متعلق صحیح رائے سہولت سے قائم نہ کر سکیں۔

(۴) علمی و مذہبی باتوں میں ذاتیات کا سوال درمیان میں لا کر اور مخاطب کی شخصیت پر حملہ کر کے محاذ جنگ کو بدلنے کی کوشش کی جائے۔

(۵) عقل و منطق اور تاریخ و حدیث کے قطعی ادلہ سے کنارہ کشی کر کے خطابیات کے دامن میں پناہ لی جائے اور عوام کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر ایسی سطحی باتیں پیش کر دی جائیں جن پر جاہل عوام آمنا و صدقنا کہہ دیں چاہے حقیقت شناس اور باخبر افراد ان کو کتنا ہی سبک اور غیر وقیع خیال کریں۔

قاتلانِ حسین کو شیعہ بنانے کے جو دلائل ہمارے پیش نظر ہیں ان میں ایسے ہی

عناصر کارفرما ہیں اور یہ خصوصیات اُن میں نمایاں طور پر نظر آ رہے ہیں جس کا احساس باخبر افراد خود کر سکتے ہیں۔

ان دلائل کا مناظرانہ جواب تو قوم کے مناظرین کا حق ہے جس کو وہ خوب ادا کر رہے ہیں۔ لیکن میں تو اپنے مسلک کا پابند رہتے ہوئے جو مناظرہ سے تعلق نہیں رکھتا ان دلائل پر ایک اجمالی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ یہ دلائل ایک بحث کے محققانہ فیصلہ کے لئے کہاں تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔

پہلی دلیل } نہج البلاغہ کے وہ اقتباسات جنمیں امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام نے اپنے ساتھیوں کی بیوفائی اور بدسلوکی کا اظہار فرمایا ہے اور اُنکی شکایت کی ہے، اُن کو نافرمان، بے وفا، بزدل، خائن، مفسد، حیلہ ساز، بدعہد، ناقابل اعتماد، بے غیرت وغیرہ وغیرہ اوصاف سے موصوف فرمایا ہے پھر جب شیعوں کی یہ حالت ہے تو اُن سے قتل حسینؑ کیا مستبعد ہے جو لوگ حضرت علیؑ کیساتھ یہ برتاؤ کر سکتے ہیں وہ امام حسینؑ کے ساتھ بدرجہ اولیٰ اس سے بڑھ کر کر سکتے ہیں۔"

اس استدلال کی منطقی کمزوری اور اساسی بے بنیادی سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اس غلط فریبی پر توجہ کرو کہ امیر المومنینؑ نے جن لوگوں کی مذمت فرمائی ہے وہ شیعہ تھے۔

اور لطف یہ ہے کہ یہ شایع کیا جا رہا ہے ہمارے رسالہ "قاتلانِ حسینؑ کا مذہب" کے دوسرے اڈیشن کے بعد جس میں ایک مستقل باب "عام اہل کوفہ کا مذہب" کے عنوان سے درج کیا جا چکا ہے۔

اب رسالہ کا تیسرا اڈیشن تمھارے سامنے ہے، اس میں نکال کر اس باب کا مطالعہ کر لو اور پھر خیال کرو کہ اس جواب کے بعد اس سوال کا دہرانا اپنی استدلالی بے مائگی کا ثبوت دینا نہیں تو کیا ہے؟ اس میں ہم نے بہت سلجھے ہوئے الفاظ میں دو تنقیحیں قائم کر دی ہیں۔

(۱) حضرت علیؑ کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے والوں نے آپ سے رسولؐ کے بعد بحیثیت وصی برحق و خلیفۂ بلافصل بیعت کی تھی یا پہلے دو کر تیرکر دور کے بعد بحیثیت خلیفہ رابع کے؟

(۲) حضرت علیؑ کو خلیفۂ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنے والا کس مذہب کا شخص ہو سکتا ہے؟

دونوں باتوں کا جواب ظاہر ہے۔ اسمیں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت علیؑ کو ظاہری خلافت کے دور میں چوتھے ہی درجہ پر تسلیم کیا گیا تھا اور آپ کے ساتھی بحیثیت خلیفۂ رابع ہی کے آپکی اطاعت کے فرض کو انجام دے رہے تھے اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت امیرؑ کو چوتھے نمبر پر خلیفہ سمجھنے کا عقیدہ

مذہب

اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے، اب بتلاؤ کہ حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب سے جو شکایتیں پیدا ہوئیں اور جو افسوسناک صورتیں پیش آئیں اُنکی ذمہ داری کس جماعت کی طرف عائد ہوتی ہے؟

خود نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنینؑ نے جس طرح اپنے سابقوں کی شکایتیں کی ہیں اور اُن سے طرح طرح کی بیزاری کا اظہار کیا ہے اُسی طرح اُن کے مذہب پر بھی روشنی ڈالدی ہے اور بتلا دیا ہے کہ وہ آپکی ہوا خواہی کا دم کس عقیدہ کی بنا پر بھرتے تھے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مطبوعہ مصر محشی بحاشیۂ مفتی دیار مصریہ شیخ محمد ابن عبدہ ج ۲ صـ

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یردّ وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار۔

"میری بیعت کی اُنہی لوگوں نے جنھوں نے بیعت کی ابوبکر و عمر و عثمان کی اُسی اصول کی بنیاد پر جس پر اُنکی بیعت کی تھی لہٰذا اُس اصول کے لحاظ سے موقع پر موجود رہنے والے کو دوبارہ نظر ثانی کا حق نہ تھا اور نہ ایسے شخص کو جو موجود نہ تھا اُس فیصلہ کے مسترد کرنے کا حق پیدا ہو سکتا ہے اور شوریٰ مہاجرین و انصار کے ساتھ مخصوص ہے۔"

اب تو امیر المومنینؑ کے ساتھ والوں کا مذہب بے نقاب ہو گیا اور معلوم

ہوا کہ وہ شکایتیں اور مذمتیں جو آپ نے اپنے اصحاب کی فرمائی ہیں شیعی افراد سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں اسی سے

دوسری دلیل کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے جس کو بڑے شد و مد سے "حضرت امام حسنؑ کے ساتھ شیعوں کی بدسلوکی" کی سُرخی سے پیش کیا جاتا ہے اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب امیرؑ کی شہادت کے بعد جب امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی تو آپ کے ساتھیوں میں انتہائی اضطراب رونما ہو گیا اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور اُس بنا پر حضرت نے بھی اُنکی مختلف الفاظ میں شکایت کی ہے اور اُن کے مظالم کا تذکرہ کیا ہے پھر جن لوگوں نے حضرت امام حسنؑ کو ایسی ایذائیں دیں آپکے قتل کیلئے تیار ہوئے، اُن کو خنجر مارا، اُن کو پکڑ کر حضرت معاویہ کے حوالہ کر دینے کا ارادہ کیا، اُنکا خیمہ لوٹا، اُنکی لونڈیوں کے زیور اُتار لئے اُن سے امام حسینؑ کے قتل کو مستبعد کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے"؟

بیشک کچھ مستبعد نہیں ہو سکتا لیکن امام حسنؑ کے ساتھ اس قسم کے سلوک کرنیوالے کون تھے؟ وہ وہی تھے کہ جنھوں نے حضرت امیرؑ کے دل کو لہو کر دیا تھا اور جن کو حضرت نے نافرمان بیوفا حیلہ ساز بد عہد ناقابل اعتماد وغیرہ وغیرہ اوصاف سے موصوف فرمایا ہے اور جن کے مذہب کو خود حضرتؑ نے بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوہم علیہ کے لفظوں میں صاف صاف ظاہر فرمایا

حضرت امام حسنؑ کا بعض مواقع پر ارشاد کہ "ھؤلاء یزعمون انھم لی شیعۃ (اینہا دعویٰ می کنند کہ شیعہ من اند)" ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ لوگ میرے شیعہ ہیں، کسی طرح اُن کے تشیع کا مظہر نہیں ہے۔

جب علامہ ابن حجر مکی ایسا فرقہ شیعہ کی مخالفت کا علمبردار بزرگ صواعق محرقہ میں تمام اُن احادیث کو جو شیعیان علیؑ اور شیعیان اہلبیت کے متعلق وارد ہوئے ہیں اپنی جماعت پر منطبق کرتا ہے یہ کہکر کہ شیعہ علیؑ اور شیعہ اہلبیت حقیقۃً ہم ہیں اور بس تو پھر اسی صورت سے اصحاب امام حسنؑ اپنے تئیں گر شیعہ امام حسنؑ سکتے ہوں تو کیا تعجب ہے۔

تیسری دلیل اصحاب ائمہ ہمیشہ ائمہ کو ایذا پہونچاتے رہے۔ زرارہ نے کتاب علی کو دیکھکر اُسکو باطل کہا۔ امام محمد باقرؑ کی نسبت جسارت آمیز الفاظ استعمال کئے، امام جعفر صادقؑ نے اُن کو جھوٹا کہا اور اُنپر لعنت کی اور اونھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسبت نازیبا الفاظ کہے، ابو بصیر نے امام جعفر صادقؑ پر طمع وحرص کا الزام لگایا، ربیع نے امام جعفر صادقؑ کو منصور خلیفہ عباسی کے پاس قتل کے لئے حاضر کیا، مامون رشید نے جو کہ شیعہ تھا صبیح دیلمی کو امام رضاؑ کے قتل پر مامور کیا اور اُس نے اُس خدمت کو انجام دیا" یہ ہے اجمالی فہرست اُن واقعات کی جنھیں بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے لیکن آخر اس کو قاتلانِ حسینؑ کے مذہب سے کیا تعلق؟ یعنی زرارہ

نے امام محمد باقرؑ کو بُرا کہا پس قاتلان حسینؑ شیعہ تھے۔ ابو بصیر نے امام جعفر صادقؑ کی نسبت سوء ادب سے کام لیا تو قاتلان حسینؑ شیعہ ثابت ہوئے۔ ربیع نے امام جعفر صادقؑ کو منصور عباسی کے پاس حاضر کیا تو قاتلان حسینؑ کا شیعہ ہونا ثابت، مامون الرشید نے جس کا شیعہ ہونا بھی کسی مستند دلیل سے نہیں ثابت امام رضاؑ کو شہید کیا لہذا قاتلان حسینؑ شیعہ تھے!!!

اس قسم کی باتوں کا چھیڑنا اور ان سے بیشتر کتاب کے اوراق کو پُر کرنا صرف اسی لئے ہو سکتا ہے کہ عام افراد کا دماغ اس الجھاؤ میں پھنسکر اصلی نقطۂ بحث سے علیحدہ ہو جائے اور اُس پر صحیح رائے قائم نہ کر سکے۔

میں اگر ان باتوں میں سے ہر ایک کا مناظرانہ جواب دینے بیٹھ جاؤں اور اُس پر تاریخ و رجال کی روشنی میں تبصرہ کروں تو اسکے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے فریق مقابل کو اُسکے مقصد میں کامیاب ہو جانے دیا یعنی حقیقۃً خارجی مباحث میں پڑ کر نقطہ بحث کہیں سے کہیں پہونچ گیا اور اصل مسئلہ مبہم کا مبہم رہ گیا اس لئے میں اسکے فیصلہ کن تبصرہ کو اپنی قوم کے مناظرین کے سپرد کر کے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ان روایات سے زیر بحث مسئلہ پر آخر کیا اثر پڑتا ہے؟

اصحاب ائمہ علیہم السلام کے لئے صرف صحابی ہونے کے اعتبار سے فرقۂ شیعہ نے کوئی منزلت عطا نہیں کی ہے نہ اُن کے متعلق اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم ایسی کوئی حدیث وضع کی ہے بلکہ وہ اصحاب ائمہ کی ذات کو مثل دیگر

رواۃ کے علم رجال کے قوانین و ضوابط کے مطابق جرح و تعدیل کا پابند سمجھتے ہیں اور اُس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

علمائے شیعہ کو جو زرارہ و ابو بصیر وغیرہ کو مقبول الروایۃ سمجھتے ہیں تو وہ اُنکے متعلق وارد شدہ روایات و حالات کی جانچ پڑتال اور بحولہ بالا روایات کے کسی حیثیت سے ناقابل اعتبار ثابت ہوجانے کے بعد ہے۔ اور جس صورت میں کہ مذکورہ روایات صحیح مان لئے جائیں تو نہ زرارہ و ابو بصیر کا کوئی وزن ہے اور نہ اُن کے روایات کا کوئی اعتبار بلکہ علمائے شیعہ کے نقطۂ نظر سے وہ مجروح اور ساقط الاعتبار قرار پا جائینگے۔

چوتھی دلیل "قاتلانِ حسینؑ کے شیعہ ہونے کے لئے صرف یہ بات بھی کافی ہے کہ وہ کوفہ کے رہنے والے تھے اور کوفی ہونا خود دلیل تشیع ہے چنانچہ علامہ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں لکھتے ہیں" تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد و سنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل و محتاج بدلیل است"

اس کے جواب کے لئے جو پہلے بھی شایع ہو چکا تھا ملاحظہ ہو ہمارے اسی رسالہ کے دوسرے ایڈیشن میں صفحہ ۹۴ پر باب "عام اہل کوفہ کا مذہب" جس میں اُنھی دونوں تنقیحوں کی بنا پر جو اصحاب امیر المومنینؑ کے تحقیق مذہب میں اسکے قبل ذکر ہو چکی ہیں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ عام اہل کوفہ کو مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا جب

بعدہم نے لکھا تھا کہ

"اب کہئے وہ قاضی نور اللہ شوستری کو کہ "تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد وسنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل ومحتاج بدلیل ست" یہ انکا ذاتی خیال ہے جبکہ وہ خود ذمہ دار ہیں اور پھر وہ اہل کوفہ کے تشیع کو مطابق اصل قرار دیتے ہوئے اسکے خلاف پہلو کو محتاج دلیل تبلاتے ہیں اور ہم نے قاتلان حسینؑ کے مذہب پر کافی ادلہ قائم کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ اُن کو شیعہ مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اسکے بعد اصل کی آڑ پکڑنا بالکل بے اصل ہے"۔

اب فرمایئے کہ قاتلان حسینؑ کے مذہب پر ہمارے اور کا جواب دیئے بغیر ہماری قائم کردہ دونوں نتیجوں کو غلط ثابت کئے بغیر ہمارے مذکورۂ بالا استدلال کی حیثیت سے توڑے بغیر پھر قاضی نور اللہ شوستری ہی کی عبارت کو پیش کردینا کہانتک حق بجانب ہے؟۔

پانچویں دلیل } قاتلان حسینؑ نے جو خطوط امام حسینؑ کے نام بھیجے اور اُن کو بلایا اور امام ممدوح اُنہی خطوط کی وجہ سے کربلا میں آئے اُن خطوط میں خود اُنھوں نے اپنے کو شیعہ لکھا" اسکے ثبوت میں جلاء العیون علامہ مجلسی کی عبارت درج کی گئی ہے جس کا مضمون بالکل وہی ہے کہ جس کو ہم خود تاریخ طبری کے حوالہ سے حوالۂ قلم کرچکے ہیں اور اُسی سے ہم نے صورت حالات کو دیکھتے ہوئے کافی بسط وتشریح کے ساتھ حسب ذیل نتائج اخذ کئے تھے۔

(۱) امام حسینؑ کو کوفہ کی جانب دعوت دینے کے بانی اور اس تجویز کے محرک یقیناً وہ افراد تھے کہ جو شیعہ کہے جا سکتے ہیں لیکن انکی تعداد کوفہ میں بہت قلیل تھی، بیشک انکی تحریک کا حالات کی دستیاری کی بنا پر عام خلقت کی طرف سے بھی گرمجوشی کیساتھ استقبال کیا گیا لیکن وہ کسی عقیدہ کامل اور صحیح فکر و تدبر کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایسے اسباب کا جو اتفاقی کہے جا سکتے ہیں اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں

(۲) اُن افراد کی کوششوں سے کہ جو شیعہ تھے رائے عام کے ہموار ہو جانے کا نتیجہ یہ تھا کہ امام حسینؑ کے پاس خطوط اور عرضداشتوں کی کثرت ہو گئی یہانتک کہ ۵۳ عرضداشتیں طیار ہو گئیں جو ایک دو یا تین چار آدمیوں کے دستخطی تھیں ان کے اصلی بھیجنے والے اگرچہ شیعہ تھے لیکن جن لوگوں کے دستخط تھے اُن سب کا شیعہ ہونا قابل تصدیق نہیں ہے۔

(۳) ان تمام کارروائیوں کے بعد جو اجتماعی حیثیت سے ہوئیں اور جو افراد شیعہ کی جدوجہد کا نتیجہ ہیں ایک خط کوفہ سے امام حسینؑ کے نام بدیں الفاظ گیا ہے کہ "کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور میوے درختوں میں رسیدہ ہیں اور تالاب لبریز ہیں پس جب آپ چاہیں تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کی جانب جو آپ کیلئے آراستہ موجود ہے"۔

اس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے اشبث بن ربعی۔ حجار بن ابجر۔ یزید بن حارث یزید بن رویم۔ عزرہ بن قیس۔ عمرو بن الحجاج زبیدی۔ محمد بن عمیر تیمی۔

(۴) وہ ابتدائی خطوط جماعت شیعہ کے نام سے گئے تھے لیکن اس آخری خط کے لکھنے والوں نے اپنے تئیں شیعہ نہیں لکھا تھا اور نہ کسی عقیدۂ تشیع کا مظاہرہ کیا بلکہ ہم نے اسکے مضمون کا سابقہ خطوط کے مضمون سے موازنہ کر کے ثابت کر دیا تھا کہ اس خط کا کوئی تعلق اس جماعت سے معلوم نہیں ہوتا جو امام حسینؑ کو دعوت دینے کی بانی تھی بلکہ یہ خط ایک منظم سازش کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے (۵) اُن خطوط کے بھیجنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے نام سے گئے تھیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعۂ کربلا میں امام حسینؑ کے مقابلہ میں پائی نہیں جاتی بلکہ اُن میں سے اکثر نے اپنے عہد وفا پر عمل کیا اور اپنی جان فرزند رسولؐ پر نثار کی۔ برخلاف اسکے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے ان میں سے پانچ کا مسلماً واقعۂ کربلا میں موجود ہونا اور قتل امام حسینؑ میں شریک ہونا ثابت ہے اور بقیہ دو کا بھی اپنے ساتھیوں کی معیت میں ہونا دور از قیاس نہیں ہے۔

اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ ہمارے مذکورہ بالا نتائج کو غلط ثابت کئے بغیر ہمارے مقابلہ میں ایسی ہی عبارت کو پیش کر دینا جسکے مضمون سے ہم نے یہ نتائج اخذ کئے ہیں دیدہ دلیری نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ خیال کہ "جن لوگوں نے اپنے تئیں شیعہ لکھا تھا یا جنھوں نے خطوط روانہ کئے تھے وہ سب شیعہ ہی تھے اسلئے کہ اگر شیعہ نہ ہوتے تو امام اُن کے قول پر اعتماد نہ کرتے اور دھوکا نہ کھا جاتے اس لئے کہ ہر امام کو خدا کی طرف سے ایک رجسٹر ملتا ہے جس میں اُن کے شیعوں کے نام بقید ولدیت لکھے ہوتے ہیں"

صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام بلکہ پیغمبر کے افعال و اعمال کی بھی بنیاد علم باطن پر نہیں بلکہ علم ظاہر پر ہوتی ہے اور اُن کے فرائض اور احکام بھی اسباب ظاہریہ کے پابند ہوتے ہیں لہٰذا صورت حال کی بنا پر خطوط کے مندرجہ بیانات کو صحیح سمجھنا اور اُس کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا ناگزیر تھا۔ لیکن وہ اُنکی حقیقی راستی اور حقانیت کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اور اسی سے۔

چھٹی دلیل کا وزن بھی معلوم ہوتا ہے کہ "امام حسینؑ نے خود بھی ان خط کے لکھنے والوں کو شیعہ فرمایا" اور اس کے ثبوت میں علامہ مجلسی کا یہ فقرہ درج کیا ہے کہ حضرتؑ نے اپنے اصحاب سے مسلم وہانی کے قتل کی خبر سناتے وقت فرمایا "شیعیان ما دست از یاری ما بر داشتند" (ہمارے شیعوں نے ہاتھ ہماری مدد سے اُٹھا لیا)

چونکہ خطوط جو آئے وہ جماعت شیعہ کے نام سے تھے اور چاہے ہے خط لکھنے والوں میں اکثر افراد تشیع سے واسطہ نہ رکھتے ہوں لیکن افراد شیعہ کی تحریک سے وہ بھی اُس وقت حضرت امام حسینؑ کی شیعیت یعنے تابع فرمان ہونے کے دعوےٰ دار تھے لیکن حضرت مسلم کے ورود کے بعد اُن حالات کی بنا پر جنکو تشریح کیساتھ رسالہ میں بیان کیا جا چکا ہے اُنھوں نے مسلم کی مدد نہ کی یہاں تک کہ مسلم شہید ہو گئے تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "شیعیان ما دست از نصرت ما بر داشتند" لیکن اس سے تمام خط لکھنے والوں کے مذہب پر روشنی نہیں پڑتی۔

پھر اب اگر ان خط لکھنے والوں میں سے کچھ لوگ واقعہ کربلا میں امام حسینؑ کے مقابلہ میں موجود بھی ہوں تو اس سے کیا نتیجہ جبکہ اُس خط کے متعلق جو سات آدمیوں کے نام سے گیا تھا۔ ہم نے خود اپنے رسالہ میں اظہار کیا ہے کہ اُن میں سے پانچ آدمی یقیناً واقعہ کربلا میں موجود تھے اور یہی وہ لوگ تھے جو اُس لشکر کے سرداروں میں سے بھی تھے لیکن اِن لوگوں کی جماعت شیعہ سے بے تعلقی پورے طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

پھر اُسی بات کو جو خود ہم نے لکھی تھی ہمارے مقابلہ میں جلاء العیون علامہ مجلسیؒ سے پیش کرنا کہ وہ لکھتے ہیں کہ

"پس (عمر بن سعد) عروہ بن قیس احمسی را طلبید و خواست کہ برسالت بخدمت حضرت بفرستد چوں آں نامرد از انہا بود کہ نامہ بحضرت نوشتہ بودند قبول رسالت نہ کرد بہر یک از رؤسا لشکر کہ میگفت باین علت اباء می کردند زیرا کہ اکثر از انہا بودند کہ نامہ بحضرت نوشتہ حضرت را بعراق طلبیدہ بودند" کہاں تک کامیابی کی نشانی قرار پا سکتا ہے؟

بے شک کوفہ کی رائے عام افرادِ شیعہ کی جد وجہد سے امام حسینؑ کے لئے ہموار ہو چکی تھی اور وہ تمام لوگ یزید کی خلافت سے بیزار اور حضرت کی تشریف آوری عراق کے آرزومند تھے اور متفقہ حیثیت سے حضرت کو دعوت دینے میں شریک تھے اور اُنمیں سے کثیر تعداد نے حضرت مسلم کے توسط سے آپکی

بیعت بھی کی تھی لیکن بعد میں حالات کے انقلاب نے اُن کے عزائم و نیات میں بھی انقلاب پیدا کر دیا اور وہی تلواریں جو حسینؑ کی نصرت کے لیے تیز کی گئی تھیں حسینؑ سے جنگ میں صرف ہوئیں لیکن اس کی ذمہ داری افراد شیعہ پر کہاں تک عائد ہوتی ہے؟ اس کا فیصلہ ہمارے رسالہ کے تاریخی بیانات کے مطالعہ پر موقوف ہے۔

پھر اگر اہل کوفہ کے اس انقلاب حالت کا حوالہ دیتے ہوئے امام حسینؑ نے احتجاج طبرسی کے بیان کے مطابق عام اہل کوفہ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا بھی

"تم نے ہم کو بے قرار ہو کر پکارا اور ہم تمہاری پکار پر تیزی کے ساتھ آئے تو تم نے ہم پر تلوار کھینچ لی"

تو اس سے جماعت شیعہ کا کیا قصور ثابت ہوتا ہے۔ اُنھوں نے تو اپنا سا کام کر لیا تھا لیکن ہنگامی انقلابات کو وہ کیا کر سکتے ہیں۔ پھر اُنھوں نے اپنے عہد وفا پر عمل بھی کیا اور اُن میں سے اکثر افراد نے اپنی جانیں حسینؑ پر نثار بھی کیں جن کا تذکرہ سابق میں ہو چکا۔

امام حسینؑ کی تشریف آوری کے متعلق اہل کوفہ کی عام آرزو و خواہش اور دعوت پر نظر کرتے ہوئے امام زین العابدینؑ کا یہ فرمانا بالکل حق بجانب تھا کہ

هل تعلمون انکم کتبتم الی ابی وخدعتموه الخ

تم نے میرے والد بزرگوار کو خط لکھا اور اونکو فریب دیا،

لیکن عام اہل کوفہ شیعہ کب تھے؟ اور اسی طرح حضرت کا اہل کوفہ روتے دیکھکر یہ فرمانا کہ ان ھؤلاء یبکون فمن قتلنا غیرھم "یہ لوگ ہم پر رو رہے ہیں مگر ان کے سوا ہم کو قتل کس نے کیا"۔

مگر اس سے اُن کے تشیع پر روشنی کونسی پڑی؟ یہ کس نے کہدیا کہ امام حسینؑ کی مظلومیت سے متاثر ہو کر رو دینا تشیع کی کافی ضمانت ہے؟

مُخالف کی عجیب و غریب تحریف

مجالس المومنین کی عبارت سے بیجا استدلال

شیعیان کوفہ کی قتل امام حسینؑ میں شریک ثابت کرنیکی ناکام کوشش

قاتلان حسینؑ کو شیعہ ثابت کرنے کے سلسلہ میں بڑے شد و مد سے جو چیز پیش کی جاتی ہے وہ مجالس المومنین مصنفہ قاضی نور اللہ شوستری کی عبارت ہے لیکن ہم نے جو اصل کتاب کو نکالکر عبارت کا مقابلہ کیا تو نقل شدہ عبارت میں ایسی کاٹ چھانٹ ترمیم خراش نظر آئی جو کسی طرح دیانت و امانت کے اصول پر جائز نہیں ہو سکتی پہلے مطلب کے حصول کے لئے اِس قسم کی تحریف کرنا فن تصنیف

(تالیف اور مباحثہ و مناظرہ پر بدنما داغ لگاتا ہے۔

اب ہم منقول شدہ عبارت اور اسکے تناسب سے اصل عبارت درج کر کے اُسکے تحریفات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

منقول شدہ عبارت جس کو پیش کیا جاتا ہے

"سلیمان بن صرد خزاعی ساکن کوفہ است و سبب خروج او بر بنی امیہ آن بود کہ چون طائفہ کوفیان با مسلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و نوبت بشہادت امام حسین رسانیدند سلیمان بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بدندان گرفتہ بر خود نفرین می کرد کہ خسران دنیا و آخرت نصیب ما شد کہ بعد از آنکہ امام حسین را طلب داشتیم تیغ بروئے او کشیدیم تا از بیوفائی ما رسید باو آنچہ رسید و رؤسائے این جماعہ پنج نفر بودند سلیمان بن صرد خزاعی و مسیب ابن نجبہ و عبداللہ بن سعد و عبداللہ بن وال و رفاعہ ابن شداد و این پنج کس از معارف اصحاب امیرالمومنین بودند و چون عزیمت ایشان بطلب خون امام حسین تصمیم یافت جمع کثیر در سرائے سلیمان بن صرد خزاعی جمع آمدند و مسیب بن نجبہ کہ مصحوب عمر سعد بکربلا رفتہ بود آغاز سخن کردہ الخ

اصل عبارت جو مجالس المومنین کے مطبوعہ نسخہ میں موجود ہے

سلیمان بن صرد کا نام لکھنے کے بعد استیعاب ابن عبدالبر کے حوالہ سے انکی مختصر

حالات درج کئے ہیں پھر لکھا ہے۔

"صاحب روضۃ الصفا آوردہ کہ منشاء خروج بر بنی امیہ آن بود کہ طائفہ کہ از کوفیاں با مسلم بن عقیل رض عہد و بیعت کردہ بودند و نقض عہد کردہ امام حسین را نصرت نمودند تا با اہل بیت و اصحاب خود بدرجہ شہادت رسید بعد از چند گاہ متنبہ شدہ انگشت حیرت بدنداں گرفتہ بر خود نفرین کردند کہ خسران دنیا و آخرت نصیب ما شد کہ بعد از آنکہ امیر المومنین حسینؑ را طلب داشتیم ہمہ در روے او کشیدیم تا از بیوفائی ما رسید بآو آنچہ رسید و روسائے ایں جماعت پنج نفر بودند سلیمان بن صرد الخزاعی و مسیب بن نجبۃ الفزاری و عبد اللہ بن سعد الازدی و عبد اللہ بن وال التیمی و رفاعہ بن شداد و ایں پنج کس از معارف اصحاب امیر المومنین علیؑ بودند و چوں عزیمت ایشاں بطلب خون امام حسینؑ تصمیم یافت جمع کثیر در سرائے سلیمان بن صرد جمع آمدند و مسیب بن نجبہ کہ مصحوب عمر نحس بکربلا رفتہ بود آغاز سخن کردہ الخ

اب ملاحظہ ہو کہ اس مختصر سی عبارت میں کتنے تصرفات جائز سمجھے گئے ہیں

"سلیمان بن صرد خزاعی ساکن کوفہ است و سبب خروج او بر بنی امیہ آن بود

اس عبارت کو ایک ڈال اور مسلسل طور پر نقل سے غرض یہ ہے کہ آخر تک تمام عبارت قاضی نور اللہ شوستری کی سمجھی جا سکے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سلیمان بن صرد خزاعی ساکن کوفہ است کے بعد کچھ حالات لکھکر "صاحب روضۃ الصفا آوردہ

کی لفظیں موجود تھیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی عبارت صاحب روضۃ الصفا کی ہے جو علمائے اہلسنت میں سے ہیں اور شیعہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ پھر اسکے بعد یہ الفاظ تھے کہ "طائفہ کہ از کوفیاں با مسلم بن عقیلؓ عہد و بیعت کردہ بودند و نقض عہد کردہ امام حسین را نصرت نمودند تا با اہلبیت واصحاب خود بدرجہ شہادت رسید"

"اہل کوفہ میں سے وہ جماعت کہ جس نے مسلم بن عقیل کے ساتھ عہد و بیعت کی تھی اور پھر عہد شکنی کر کے امام حسینؑ کی نصرت نہ کی یہاں تک کہ حضرت اپنے اہل بیت و اصحاب کیساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُس جماعت اہل کوفہ پر جو الزام عائد کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے امام حسینؑ کی مدد نہ کی یہاں تک کہ حضرت شہید ہوگئے۔ بس لیکن اس عبارت کو نقل جو کیا جاتا ہے تو وہ یوں کہ۔

"چوں طائفہ کوفیان با مسلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و نوبت بشہادت امام حسینؑ رسانیدند"۔

"جب اہل کوفہ کی جماعت نے مسلم کے ساتھ بیعت کر کے عہد شکنی کی اور امام حسینؑ کی شہادت تک نوبت پہونچائی"۔

اس میں ایک تو طائفہ از کوفیاں کے بجائے "طائفہ کوفیان" کہکر ذمہ داری کو تمام اہل کوفہ کی جانب عائد کر دیا گیا ہے پھر "نصرت نمودند تا

بدرجۂ شہادت رسید" کے بجائے

"نوبت بشہادت امام حسینؑ رسانیدند" کر کے حضرت سید الشہداء کے قتل کو تمامتر اُنھی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جس سے اُنھی کا قاتل امام حسینؑ ہونا ثابت ہو۔

پھر اسکے بعد اصل عبارت یوں ہے کہ

"بعد از چندگاہ متنبہ شدہ انگشت حیرت بدندان گرفتہ برخود نفرین کردند الخ۔ یعنی وہی جماعت کچھ عرصہ کے بعد متنبہ ہو کر انگشت بدندان ہوئی اور اُس نے اپنے اوپر لعنت ملامت کی"

لیکن نقل کرنے میں یوں کر دیا گیا کہ

"سلیمان بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بدنداں گرفتہ برخود نفرین کرد"

یہ اس لئے کہ صاف طور پر سلیمان بن صرد خزاعی اُس ذمہ داری قتل میں شریک ہو جائیں اور اس سے علحدہ نہ رہیں"

کیا حقیقت کی تلاش کے لئے ایسی ہی ملمع کاریوں کی ضرورت ہوتی ہے اور تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ اتنی حقیقت پوشی سے کام لیا جائے۔

اسی سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ مقصد کتنا کمزور ہے جو بغیر ان کارروائیوں کے پایۂ ثبوت تک پہونچایا ہی نہیں جا سکتا۔

یہ تھی حقیقت اس دعوے کی کہ "قاتلانِ حسینؑ کے شیعہ کہنے کی بنیاد کتب شیعہ پر ہے":

معلوم ہو گیا کہ کتب اہلِ سنت ہی قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ بتلانے میں ہم آواز ہیں اور نہ کتب شیعہ ہی اس میں ہمسا ز ان کے شیعہ ثابت کرنے کی سعی ناکام ہے اور ہمیشہ ناکام رہے گی چاہے اس میں کتنی ہی کوشش صرف کیجائے والحجۃ البالغۃ عند ربك والسلام۔

علی نقی النقوی عفی عنہ
۱۴ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ
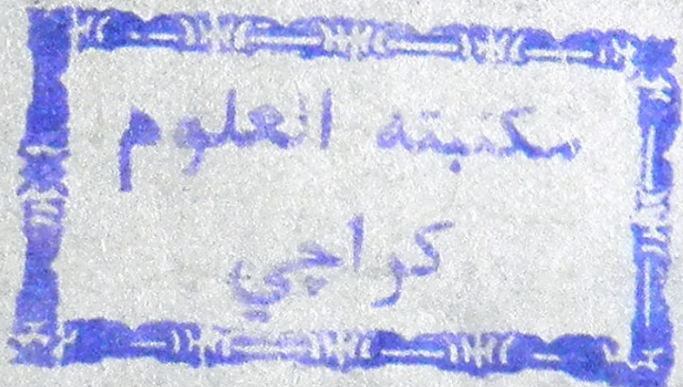
امامیہ مشن کی ممبری قبول فرماکر

ناصرین اہلبیت علیہم السلام کی فہرست میں اپنا نام نامی درج کرالیجئے

چندہ لائف ممبری	کم از کم پچاس روپیہ یکمشت
چندہ ممبران خصوصی	" پانچ روپیہ سالانہ
چندہ ممبران عمومی	" ایک روپیہ سالانہ

(نوٹ)

لائف ممبران کیخدمت میں سابقہ اور آیندہ کے تمام رسائل بلا طلب بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں۔

ممبران خصوصی کیخدمت میں ممبر بننے کے بعد تمام رسائل بلا طلب بلا قیمت ارسال ہوتے رہتے ہیں۔ اور اگر سابق کے رسائل خریدنا چاہیں تو صرف نصف قیمت چارج کی جاتی ہے۔

ممبران عمومی کو ممبر بننے کے بعد شائع ہونے والے رسائل دبشرطیکہ وہ طلب فرمائیں) نصف قیمت پر دئے جاتے ہیں۔ اور سابق کے رسائل اگر خریدنا چاہیں تو پوری قیمت چارج کی جاتی ہے۔

امامیہ مشن لکھنؤ

امامیہ مشن کے تبلیغی رسالے

نمبر	نام رسالہ	قیمت	محصول
۱	قاتلانِ حسین کا مذہب	سہر	لر
۲	تحریفِ قرآن کی حقیقت	۹ر	ملر
۳	مولودِ کعبہ	۲ر	شر
۴	وجودِ حجتؑ	سہر	لر
۵	اصولِ دین اور قرآن	سہر	لر
۶	اتحاد الفریقین حصہ اول	۴ر	
۷	حسین اور اسلام اُردو	لعہ	
۸	〃 ہندی		
۹	〃 انگریزی	ختم	ہو گیا
۱۰	متعہ اور اسلام	۸ر	لعر
۱۱	امامت آئمہ اثنا عشر اور قرآن	۰ر	شر
۱۲	تجارت اور اسلام	۳ر	شر
۱۳	اتحاد الفریقین حصہ دوم	۴ر	لعہ
۱۴	علی اور کعبہ	۱ر	شر
۱۴	رجال بخاری حصہ اول	۶ر	سلر
۱۵	مذہب بابیہ بہا حصہ اول	۵ر	لعہ
۱۶	〃 حصہ دوم	۸ر	شر
۱۷	نوروز و غدیر	۱ر	شر
۱۸	مجاہدہ کربلا	۱ر	شر
۱۹	کربلا کا آتم بلیدان ہندی	۲ر	شر
۲۰	دی مارٹیرڈم آف حسینؑ انگریزی	۲ر	شر
۲۱	اسوۂ حسینی	۱۷ر	۱ر

نمبر	نام رسالہ	قیمت	محصول
۲۲	جنگِ صفین	۳ر	شر
۲۳	تذکرۂ حفاظ شیعہ حصہ اول	۶ر	[illegible]
۲۴	〃 حصہ دوم	۵ر	لعہ
۲۵	مقصودِ کعبہ	۱ر	شر
۲۶	مذہب بابیہ بہا حصہ دوم	۸ر	لعر
۲۷	مذہب اور سائنس	۱ر	شر
۲۸	معرکۂ کربلا انگریزی	۲ر	شر
۲۹	کربلا کا مہا دلیو ہندی	۲ر	شر
۳۰	دی ٹریجڈی آف کربلا انگریزی	۲ر	لعہ
۳۱	اسلام کی حکیمانہ زندگی	۸ر	لعر
۳۲	دورِ استبداد	۴ر	لعہ
۳۳	حقیقتِ بدا	۲ر	شر
۳۴	خطیبِ آلِ محمدؐ	۱۴ر	لعہ
۳۵	تدوینِ حدیث	۱ر	شر
۳۶	مطلوبِ کعبہ	۱ر	[illegible]
۳۷	محاربۂ کربلا (اُردو)	۲ر	[illegible]
۳۸	اسلام کا پیغام	۰ر	[illegible]
۳۹	دی میسیج آف اسلام	۰ر	[illegible]
۴۰	اثباتِ عزاداری	زیرِ طبع	
۴۱	مسئلہ فدک		[illegible]

ملنے کا پتہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

(پرنٹر محمد ادریس انصاری پبلشر سید محمد رضا نقوی)